پیش گفتار

باسمہٖ سبحانہٗ

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم، امابعد!

عارف باللہ حضرت مولانا پروفیسر محمد اشرف خان سلیمانی پشاوری رحمہ اللہ اپنے عہد کے نابغہ روزگار اہل علم واحسان میں سے تھے۔ آپ نے اپنی پرسوز دعوت، طویل تعلیم وتدریس، مؤثر اصلاح وارشاد، پرشکوہ خطابت، انتھک سیاسی جدوجہد، سیل رواں قلم اور پیہم روحانی وعرفانی فیض رسائی کے ذریعے نصف صدی سے زائد عرصہ اہل اسلام کی دینی ودنیاوی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔

فقیر کا حضرت مولانا کی ذات گرامی اور افادات سے ابتدائی تعارف اپنے شیخ ومرشد حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب خلیفہ مجاز حضرت مولانا اشرف خان سلیمانی رحمہ اللہ کی وساطت سے ۲۰۱۱ء میں ہوا۔ اپنی حاضری کے ابتدائی ایام میں حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہم کی مجالس میں حضرت مولانا کی شخصیت کا والہانہ وعاشقانہ تذکرہ بار بار سننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس تذکار سے حضرت مولانا کا جو ابتدائی نقش ذہن میں بیٹھا وہ یہ تھا کہ حضرت مولانا داعیانہ سوز وساز کے حامل ایک بلند پایہ روحانی وعرفانی شخصیت ہوگزرے ہیں جن کی لسانی دعوت اور روحانی تربیت سے خلق کثیر کو استفادہ کا موقع ملا ہے۔

اس دوران مرشدی حضرت ڈاکٹر صاحب کی تحریر کردہ حضرت مولانا کی سوانح مرد درویش پڑھنے کا موقع میسر آ گیا، جس میں حضرت مولانا کی زندگی کے کئی روشن پہلوؤں مثلاً تعلیم وتربیت، جہد وجہاد، تصنیف وتالیف، قلم وکتاب سے ٹھوس وابستگی، اہل علم وفن اور معاصر اہل کمال سے افادہ واستفادہ کا تسلسل، سیاسی وقانونی کاوشیں، ملی وملکی مسائل میں دلچسپی، استیصال باطل کی کوششیں، دینی تحریکات میں

عملی سرگرمی، وطن خداداد میں نفاذ شریعت کی جدوجہد، تصوف وسلوک، رجال سازی، دعوت وتبلیغ اور وسیع پیمانے پر رفاہی وسماجی خدمات کا مختصر مگر جامع تذکرہ پڑھ کر اس چشمۂ حیوان کی حیات آفرینی اور آسمان رشد وہدایت کی ہمہ گیریت کا اندازہ ہوا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے آپ کی شہرہ آفاق تصنیف سلوک سلیمانی کی تینوں جلدیں بھی عنایت کیں، جن کے مطالعہ سے آپ کے ندویانہ اسلوب بیان، زورِ قلم، ادبی طرز نگارش، تصنیفی مہارت اور قوت استدلال واستنتاج کے ساتھ ساتھ اپنے شیخ گرامی کی ذات میں کامل فنائیت، تصوف کے رموز واسرار سے گہری واقفیت اور تحریر میں دل موہ لینے والی تاثیر کا حیرت انگیز مشاہدہ ہوا۔ کتاب کے بعض مقامات پڑھ محسوس ہوتا ہے کہ سید الملۃ علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی علمی گہرائی وگیرائی، عمیق تجزیہ کی صلاحیت، داعیانہ سوز اور مثالی اسلوب بیان مولانا سلیمانیؒ نے اپنے اندر پوری طرح جذب کرلیا ہے اور آپ کا قلم سلیمانی نسبت کا مظہر اتم، تصویر کامل اور عکس جمیل بن چکا ہے۔

اس کتاب کے مطالعے سے حضرت مولانا کے ساتھ عجیب قلبی وابستگی پیدا ہوئی، چونکہ بندہ نے آپ کی سوانح میں پڑھ لیا تھا کہ آپ نے اپنے قائم کردہ تصنیفی واشاعتی ادارے سلیمان اکیڈمی سے ایک اردو ماہنامہ البیان کا اجرا فرمایا تھا جو کچھ عرصہ چلنے کے بعد بند ہوگیا تھا۔ لہٰذا آپ کی تحریروں کے شوق میں البیان کی فائلیں تلاشنا شروع کردیں، تلاش بسیار کے بعد البیان کی مکمل فائلیں دستیاب ہو گئیں، جو فروری ۱۹۸۳ء سے جون ۱۹۸۶ء تک چھپتا رہا۔ ان میں حضرت مولانا کے نادر ونایاب مضامین کے علاوہ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ، علامہ ابوالحسن علی ندویؒ، ڈاکٹر حمید اللہؒ، مولانا شمس الحق افغانیؒ اور دیگر اکابر اہل علم کی بھی گراں قدر چیزیں چھپتی رہی ہیں اور البیان اپنے عہد کا ایک قدآور مجلہ شمار ہوتا رہا ہے۔

ان تمام فائلوں کی پی ڈی ایف تیار کر کے اسے اپنے ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کی ویب سائٹ پر مہیا کر دیا گیا اور حضرت مولانا کے مضامین کو الگ سے نئی کمپیوٹر کتابت کروا کر محفوظ کر دیا گیا، کچھ مضامین اپنے زیر ادارت مجلہ المظاہر کو ہاٹ کے مختلف شماروں میں بھی چھاپے۔ لیکن اس بات کا افسوس رہا کہ ہمارے

جدید فضلا کا اس قیمتی ذخیرے سے تعارف ہے، نہ ان کیلئے اس تک رسائی کا کوئی عام اور آسان ذریعہ۔

اس سے یہ داعیہ پیدا ہوا کہ حضرت مولانا کے قلم سے نکلے ہوئے تمام درنایاب اور رشحات زریں ازسرنو جمع کر کے شائع کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اس مقصد کے تحت ان تمام رسائل ومجلّات کی فائلیں کنگھالنا شروع کیں جن میں حضرت مولانا ایک طویل عرصہ تک لکھتے رہے۔ ماہنامہ بینات کراچی میں حضرت مولانا کے مضامین کا اشاریہ برادر گرامی قدر مولانا یاسر عبداللہ حفظہ اللہ کے تعاون سے مل گیا، جب کہ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک میں شائع شدہ مضامین کا اشاریہ برادر عزیز مولانا محمد اسلام حقانی سلمہ نے مہیا کیا، جس پر ہر دو حضرات شکریہ وسپاس کے مستحق ہیں۔

ان دو رسائل کے علاوہ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، صدق جدید لکھنؤ، البلاغ کراچی، الرشید لاہور، عزم نو لاہور، معارف اعظم گڑھ اور البعث الاسلامی لکھنؤ سے بھی مولانا کے کئی اہم مقالات ملے۔ تین سال کی متواتر کوشش کے بعد بحمداللہ تمام رسائل میں شائع شدہ مضامین اکٹھے ہو گئے اور چار جلدوں کا مواد جمع وترتیب اور کتابت کے تمام مراحل سے بخوبی گزر کر مدون ہو گیا۔

حضرت مولانا کی یہ تحریریں ۱۹۵۳ء سے ۱۹۹۶ء تک کے دورانیہ پر مشتمل ہیں۔ گو کہ آپ کی وفات ۱۹۹۵ء میں ہوئی لیکن ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک میں آپ کا ایک مضمون وفات کے بعد بھی شائع ہوا ہے، جو بقول مدیر الحق ان کے پاس بصورت مخطوط محفوظ تھا۔

ان فائلوں کی تلاش میں کئی احباب نے تعاون کیا، حضرت مولانا کی ذاتی لائبریری میں الہلال، معارف، بینات، صدق جدید، الحق، الرشید، خدام الدین، برھان، ترجمان اسلام اور البلاغ کے کئی سالوں کے رسائل موجود ہیں۔ ان میں سے کئی رسائل کی فائلیں اس کام کے دوران ہی مرتب ہو گئیں۔ معارف، بینات اور صدق جدید کے اکثر شمارے تو فائلوں میں مرتب مل گئے تھے جو شاید حضرت مولانا کی نگرانی میں ان کی زندگی میں بن گئی تھیں۔ لیکن زیادہ تر رسائل بلاترتیب گودام میں لفافوں کے اندر بھرے ہوئے تھے۔ کچھ مضامین حضرت مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ کی لائبریری سے ملے۔ ایک بڑا حصہ نیٹ پر دستیاب الحق، الفرقان اور الرشید کے شماروں سے حاصل کیا۔ الحق کے کئی مضامین مولانا یاسر

نعمانی مدظلہ کے تعاون سے ملے۔ کئی تحریرات تک محترم شبیر میواتی حفظہ اللہ کے ذریعے رسائی ہوئی۔ الفرقان کی کچھ قدیم فائلیں ہندوستان کے ایک صاحب علم نے مہیا کیں۔ مختلف مراحل پر علمی تعاون کرنے والے ان تمام احباب کا بندہ تہہ دل سے ممنون ہے، ان شاءاللہ اس کام میں ایسے تمام احباب کا حصہ ہے اور وہ اس صدقہ جاریہ کے اجر وثواب میں برابر کے شریک ہیں۔

ماہنامہ الحق کے اشاریہ کے بارے میں ایک وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔ بندہ نے الحق کے اشاریہ کے مطابق متعلقہ شماروں سے مضامین کی نقول حاصل کیں، تو ایک دو تحریروں کے بارے میں شک ہوا کہ یہ حضرت مولانا کے اسلوب تحریر سے میل نہیں کھاتیں۔ بعد میں مزید تحقیق سے واضح ہوا کہ ان میں سے ایک تحریر جو تصحیح نسب ولقب کے نام سے (ماہ اکتوبر ۱۹۹۵ء بمطابق جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ، جلد:۳۱، شمارہ نمبر:۱، میں) شائع ہوئی ہے، مولانا محمد اشرف مہتمم جامعہ مدنیہ ضلع ٹانک کی ہے۔ دوسری تحریر لات ومنات اور عزی: ایک مذہبی اور تحقیقی جائزہ (جو ماہ جون ۱۹۹۶، بمطابق صفر المظفر ۱۴۱۷ھ، جلد:۳۱، شمارہ نمبر:۹ میں شائع ہوئی ہے) بھی اپنے اسلوب تحقیق اور تحریر کے اعتبار سے مذکورہ مولانا محمد اشرف صاحب کی تحریر معلوم ہوتی ہے۔ چند قوی قرائن ایسے ہیں جن کی بنیاد پر بندہ کو پوری تسلی ہے کہ یہ تحریر حضرت مولانا کی نہیں۔

پہلا قرینہ یہ ہے کہ حضرت مولانا نے اپنے قلم سے اپنے شائع شدہ مضامین کی جو فہرست بنائی ہے اس میں اس مضمون کا کوئی ذکر نہیں۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ حضرت مولانا کے کئی مضامین کی پوری یا ناقص نقول آپ کے ذخیرہ میں موجود ہیں لیکن اس مضمون کی کوئی مکمل یا ناقص نقل بندہ کو حضرت کے ذخیرہ سے نہیں ملی۔

نیز حضرت مولانا کی تمام اہم تحریریں الحق کے ساتھ ساتھ بینات اور الرشید میں بھی آگے پیچھے چھپتی رہی ہیں لیکن یہ تحریر کسی اور جگہ مطبوع بھی نہیں ملی۔

اس کے علاوہ الحق میں مولانا کی تمام چیزیں پروفیسر مولانا محمد اشرف خان سلیمانی کے نام سے چھپتی رہی ہیں، جب کہ ان دو تحریروں کے ساتھ محض مولانا محمد اشرف نام لکھا ہوا ہے۔

ایک ٹھوس قرینہ یہ بھی ہے کہ یہ مضمون حضرت مولانا کی وفات کے بعد شائع ہوا ہے، الحق میں آپ کی وفات کے بعد شائع ہونے والی چیزوں کے ساتھ رحمہ اللہ کا لاحقہ بلکہ مدیر کا تنبیہی نوٹ بھی موجود ہے لیکن اس مضمون کے ساتھ لاحقہ یا نوٹ موجود نہیں۔

بہرحال بندہ کے خیال میں مرتب اشاریہ کو یہاں غلطی لگی ہے اور ان دو مضامین کو نام کے اشتراک کی وجہ سے حضرت مولانا کی فہرست مضامین میں شامل کر دیا گیا ہے۔

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے مکاتیب مشاہیر کے حاشیہ میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ جن حضرات کی چیزیں الحق میں شائع ہوئی تھیں، ان کے خطوط شائع کرتے وقت ان کے مضامین کی فہرست بھی حاشیہ میں مہیا کر دی۔ حضرت مولانا اشرف صاحب کے مکاتیب پر تعارفی حاشیہ میں مضامین کی جو فہرست ہے غالباً وہ بھی الحق کے اشاریہ سے ماخوذ ہے، اس لیے اس میں بھی بعینہٖ یہی غلطی موجود ہے۔

آغاز میں حضرت مولانا کے نام سے جن رسائل میں مقالات ملتے گئے، انہیں جمع کرتا گیا لیکن ترتیب وتدوین کے دوران تفصیلی مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ ان میں کئی مضامین و مقالات مکرر مختلف ناموں سے بھی چھپے ہیں، مثلاً ''اکرام مسلم'' کے نام سے ایک مضمون الفرقان لکھنؤ میں اور البیان پشاور میں چھپا ہے، نیز حضرت مولانا کے ایک رسالہ ''قرآن وسنت کی روشنی میں دعوت وتبلیغ کے تقاضے'' جو چھ تبلیغی نمبروں پر مشتمل ہے، میں بھی شامل ہے۔ لیکن یہی مضمون ماہنامہ بینات کراچی (جولائی، اگست ۱۹۷۳ء) میں ''اسلامی اخوت اور اس کے حقوق'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔

اسی طرح حضرت مولانا کا شہرہ آفاق مقالہ ''اسلام کا نظریہ عدل وسزا'' جس کی بنیاد آزاد کشمیر میں ایک کانفرنس کے دوران فی البدیہہ تقریر بنی، اسی نام سے ماہنامہ بینات کراچی اور صدق جدید لکھنؤ میں شائع ہوا، لیکن تمہید اور آخری حصے کے حک وترمیم کے ساتھ ''اسلامی قانون کی اہمیت وضرورت'' کے نام سے البیان پشاور میں بھی چھپا ہے۔ نیز اس کا بڑا حصہ ''شرعی سزاؤں کی اہمیت'' کے نام سے عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ ملتان نے رسالہ کی شکل میں بھی چھاپا ہے۔

اسی طرح صدق جدید لکھنؤ میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے ایک مضمون پر حضرت مولانا کا

ایک مبسوط مقالہ بطور تبصرہ ''نیا طوفان اور اس کا مقابلہ: تبصرہ وتاثرات'' کے نام سے شائع ہوا ہے لیکن وہی مضمون معمولی تبدیلی کے ساتھ ''تہذیب حاضر اور مسلمان'' کے نام سے البیان پشاور میں بھی چھپا ہے۔

بعض مضامین ایسے بھی ہیں جو طویل مقالات کا حصہ ہیں لیکن جزوی طور پر مختلف رسائل میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً ''موجودہ دینی انحطاط کا بڑا سبب'' کے نام سے ایک تحریر ماہنامہ الحق میں شائع ہوئی لیکن یہی مضمون حضرت مولانا کے طویل مقالہ ''پیام رساں امت'' کا بھی حصہ ہے جو اکتوبر اور نومبر ۱۹۶۴ء میں بینات میں دو قسطوں میں شائع ہوا۔ اسی طرح ''دینی دعوت اور اس کے تقاضے'' بعض رسائل میں علیحدہ سے بھی چھپا ہے لیکن وہ ''پیام رساں امت'' کا بھی حصہ ہے۔

حضرت مولانا البیان میں ''آغاز بیان'' کے نام سے اداریہ لکھتے تھے، اس اداریہ کے بھی کئی ایک مضامین طویل مقالوں کے جزوی حصے ہیں، مثلاً ''شریعت بل'' کے نام سے آپ کے اداریہ کا قریباً آدھا حصہ آپ کے مبسوط مقالہ ''قومی تعمیر نو میں مذہب کی اہمیت''، جو الحق میں ''پاکستان کی تعمیر نو میں مذہب کی اہمیت'' کے نام سے شائع ہوا ہے، کا حصہ ہے۔ اسی طرح کئی اداریے قادیانیت کے حوالے سے آپ کے طویل عدالتی بیان کے جزوی حصے ہیں۔ بندہ نے ایسے تمام مضامین کے بجائے اصل مقالات ہی کی ہیئت برقرار رکھی ہے اور ان جزوی حصوں میں اگر کہیں مفید جملوں کا اضافہ یا ترمیم کی گئی تھی تو اسے اصل مقالہ میں نافذ کر دیا ہے۔

مجموعی طور پر چاروں جلدوں میں ستاون مقالات شامل ہیں۔ پہلی جلد میں بیس مقالات ہیں، ان کو تعلیم وتہذیب اور سیاست وقانون کے عنوان سے معنون کیا گیا ہے۔ جب کہ دوسری جلد میں اکیس مقالات شامل ہیں، ان کو دعوت وتبلیغ اور اصلاح وارشاد کا عنوان دیا گیا ہے۔ تیسری جلد میں کل دس مقالات ہیں اور ان کا موضوع سیر وسوانح ہے۔ جب کہ چوتھی وآخری جلد میں چھ مقالات شامل کیے گئے ہیں، جن کا عنوان عدالتی مقالات تجویز کیا گیا ہے۔ پہلی جلد ۴۸۹، دوسری جلد ۵۵۴، تیسری جلد ۴۹۰ اور چوتھی جلد تقریباً ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

جلد اول

اس مجموعہ کی پہلی جلد میں حضرت مولانا کے بیس گراں قدر مقالات شامل ہیں۔ جن کا مختصر تعارف حسب ذیل ہیں:

(۱) پہلا مقالہ ''اسلامی قانون کی اہمیت وضرورت'' کے نام سے معنون ہے۔ یہ عجالہ ایک فی البدیہہ تقریر کی بنیاد پر مرتب ہوا، حضرت مولانا اس کے ابتدائیہ میں اس کا تعارف پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وسط جون ۱۹۶۸ء میں ایک دینی مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے سلسلہ میں مظفر آباد (آزاد کشمیر) کا سفر جناب مولانا عبدالقدوس صاحب صدر شعبہ اسلامیات پشاور یونیورسٹی کی رفاقت میں پیش آیا۔ مظفر آباد میں داعیانِ جلسہ جناب مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب اور جناب مولانا مظفر حسین شاہ صاحب ندوی کی عنایت سے کئی مجالس کو خطاب کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس سفر میں ''حلقہ فکر و دانش'' مظفر آباد نے وہاں کے دانشوروں اور تعلیم یافتہ حضرات کی ایک مجلس میں فقیر سے اسلامی نظریۂ عدل وقانون کے بارے میں استفسارات کرتے ہوئے یہ سوال کیا کہ ''اسلام کا نظریہ عدل وسزا کیا ہے؟ اور اسلام میں وحشیانہ، بہیمانہ اور ظالمانہ (جیسا کہ معترضین کہتے ہیں) سزائیں کیوں ہیں؟'' ہیچمدان نے فی البدیہہ (extempore) جو گذارشات پیش کیں، انھیں رفیق سفر عزیزی شیر حسن خان صاحب (لیکچرر ایگریکلچرل کالج پشاور) نے اسی وقت قلمبند کر لیا تھا۔ (عزیز موصوف کی اس عنایت کا ممنون ہوں) تقریر بحمداللہ تعالیٰ پسند کی گئی اور اس کودک ناداں قانون وفقہ سے نابلد کی بات کو سراہا گیا اور اشاعت کی خواہش کی گئی۔ جس سے اپنی کم سوادی کو منظر عام پر لانے کی جرأت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اسے ہم سب کے لیے نافع بنائے۔ آمین۔ نظر ثانی میں حوالوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔''

یہ مقالہ ماہنامہ بینات کراچی میں ستمبر ۱۹۶۸ء تا اپریل ۱۹۶۹ء بمطابق رمضان ۱۳۸۸ھ تا محرم

۱۳۸۹ھ ''اسلام کا نظریہ عدل وسزا'' کے نام سے پانچ مبسوط قسطوں میں چھپتا رہا۔ نیز صدق جدید لکھنؤ میں بھی پانچ قسطوں میں شائع ہوا۔ بعد ازاں عربی زبان میں ترجمہ ہوکر ''نظرۃ الاسلام الی العدل والعقوبات الجنائیۃ'' کے نام سے ماہنامہ البعث الاسلامی لکھنؤ (محرم، ۱۳۸۹ھ) میں بھی شائع ہوا۔ حضرت مولانا کے زیر ادارت نکلنے والے ماہنامہ البیان (جولائی تا ستمبر ۱۹۸۴ء) میں تین اقساط میں یہ مقالہ شروع اور آخری حصہ کے حک وترمیم کے ساتھ ''اسلامی قانون کی اہمیت و ضرورت'' کے نام سے شائع ہوا۔ ہم نے اس مجموعہ میں مکمل مقالہ اسی نام سے شامل کیا ہے۔

اس مقالہ میں حضرت مولانا نے قانون کی اہمیت وضرورت، اسلام کے ماخذ قانون، اسلامی قانون کی قوانین اقوام عالم پر برتری، اسلامی قانون کی خصوصیات، مزایا اور امتیازات، گناہ اور سزا کی حقیقت، مغربی اور اسلامی قانون کا تقابلی جائزہ، اسلامی سزاؤں کے اسرار وحکم اور اس حوالے سے ہونے والے اعتراضات کا مسکت جواب قرآن وسنت اور عقلی ونقلی دلائل کی روشنی میں فراہم کیا ہے۔

آپ نے واضح کیا ہے کہ قانون بنانے کا اختیار صرف ذات خداوندی پاس ہے جو انسانی مصالح کا علم کلی رکھتے ہیں۔ انبیاء کرام بھی قانون الٰہی کی تبیین وتشریح اور تنفیذ کا فریضہ انجام دینے تشریف لاتے ہیں، وہ اس معنی میں شارع ہیں کہ قانون خداوندی کی توسیع وتشریح کریں اور توثیق خداوندی سے قانون کی تعبیر وتبیین کا فریضہ ادا کریں۔ انسانی مصالح کی کامل رعایت خود ساختہ انسانی قوانین کے بس میں نہیں، انسان اپنے خیالات ورجحانات کے اثر سے مطلقاً آزاد ہوکر کوئی قانون بنا ہی نہیں سکتا۔ وہ جب بھی قانون سازی کرے گا اس کے خاص رجحانات، ماحول، سوسائٹی اور وقتی مصالح وتقاضے اس کے فیصلوں پر اثر انداز ہوں گے۔ مولانا واضح کرتے ہیں کہ اسلام نے کڑی سزائیں اس لیے مقرر کی ہیں کہ دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم رہے۔ اسلام کے ہاں شخصی مصالح سے زیادہ سماج ومعاشرت کا حق عزیز ہے اور ریاستی سطح پر امن وامان کی بقا اور انسانی جان ومال کی حفاظت اسلام کی ایسی اولین ترجیح ہے کہ اسے پامال کرنے کے سارے چور دروازے بند کرنا ہی اس کے پیش نظر ہے۔

غرض یہ پورا مقالہ اسلام کے نظریہ عدل وسزا کا جامع مرقع ہے اور بقول حضرت مولانا عبدالقدوس

صاحب یہ محض ایک تحقیقی کاوش نہیں بلکہ الہامی بیان تھا جسے آپ کی زبان پر من جانب اللہ جاری کیا گیا۔

(۲) دوسرا مقالہ ''سیاست وتعمیر ملت'' حضرت سید الملت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے سیاسی افکار کی وضاحت کرتا ہے۔ یہ مقالہ ماہنامہ بینات کراچی میں نومبر ۱۹۷۲ء تا فروری ۱۹۷۳ء، بمطابق رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ تا ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ چار قسطوں میں جب کہ ماہنامہ الحق میں فروری تا جون ۱۹۶۶ء شائع ہوا ہے۔ حضرت مولانا اور آپ کے شیخ و مربی کا سیاسی مسلک بڑا دوٹوک اور واضح ہے۔ آپ کی نظر میں مسلمانوں کے سیاسی مسائل کا حل اور اقوام عالم پر سیاسی برتری محض مادی ترقی اور مغرب کی نقالی سے حاصل نہیں ہوگی بلکہ اس کے لیے روحانی کمال اور وہ اخلاقی روح پیدا کرنا ضروری ہے جس کی طرف قرآن مجید نے بار بار متوجہ کیا ہے۔ آپ کی نظر میں اسلام محض سیاسی نظام نہیں بلکہ سیاست عالمگیر دعوت خیر کا ایک جزء ہے۔ ایک موقع پر اپنے شیخ کے ایک قول کو پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اسلامی سیاست 'دعوت' کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ دعوت میں سیاست خود بخود آجاتی ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فائنینس (FINANCE) کے وزیر اور سیاسی قوتیں جمع نہیں کیں، نہ یہ کہا کہ آؤ مل کر حکومت قائم کریں۔ صرف کلمہ کی طرف لوگوں کو بلایا۔ دین کی دعوت دی، سیاست ذیل میں خود بخود آگئی، گو اسلام میں سیاست و دعوت علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں، لیکن سیاست کے منافع اور ضرر سے دعوت پر بھی اثر پڑتا ہے۔''

آپ کی نظر میں سیاسی انقلاب مروجہ نظاموں میں صرف شخصیات کے چہرے بدلنے سے قطعاً نہیں آسکتا، بلکہ اس کے لیے دین اسلام سے کامل وابستگی اور ہر شعبہ زندگی میں احیاء دین کی جدوجہد لازمی ہے۔ ایک جگہ اپنے شیخ کا قول پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب تک ہمارا مقصد صرف اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامت دین نہ ہوگا اور اسی کے لئے روٹھنا اور منانا اور مرنا اور جینا نہ ہوگا۔ ہم اسی طرح ممبریوں اور وزارتوں اور لیڈریوں کے لئے آپس میں لڑتے، مرتے اور کٹتے رہیں گے۔ کیونکہ ہم نے اپنا مقصود انہی شخصی اعزازات اور اسی جاہ و

منصب کے حصول کو بنا رکھا ہے اور اسی کا نام ہم نے اسلامی ترقی رکھ چھوڑا ہے۔ ضرورت ہے کہ عقائد و عبادات کے ساتھ اسلامی سیاسیات، اسلامی اقتصادیات، اسلامی طریق تجارت، اسلامی اصول مضاربت (یعنی سرمایہ اور مزدوری کے طریق تعاون)، اسلامی طریق کاشتکاری، اسلامی طریق کارخانہ داری، کسانوں اور مزدوروں کے اسلامی حقوق، اسلامی لین دین اور معاملات کے مسائل اور دیگر تمام ضروری امور کے متعلق خالص اسلامی حل لوگوں کے سامنے رکھا جائے اور اس کے قبول و عمل کی دعوت دی جائے جس سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہو اور مسلمان مسلمان بن کر دنیا میں ظاہر ہوں''۔

آپ کی نظر میں سیاست میں مغرب کی نقالی وہ عفریت ہے جو مسلمانوں کو نگل رہا ہے۔ آپ احیاء خلافت کے داعی تھے اور سیاسی میدان میں مسلمانوں کا اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہی سیاسی گرداب سے نکلنے کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ ایک مقام پر اپنے شیخ کا قول پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اہل سیاست کو موجودہ مغضوب و دجال قوموں کے مذموم تمدن و تہذیب اور بے آئین نظام سلطنت و حکومت، ظالمانہ طریق حکمرانی و فرمانروائی، گمراہانہ طریق تعلیم و تربیت، فاسد اخلاق و کردار اور قزاقانہ اقتصاد و وحشیانہ طاقت اور مجرمانہ سیاست پر افسوس نہیں، بلکہ اس پر حسرت ہے کہ اس مجرم گنہگار، عریاں خوشنما، فاسد الاخلاق، قزاق اور وحشی طاقت کے حکمران و فرمان روا اور ظالم نظام اقتصاد اور فاسد اصول قضا و عدالت کے مالک ہم کیوں نہ ہوئے، ان کو یہ افسوس نہیں کہ شیطان کا یہ تخت جبروت کیوں بچھا ہے۔ بلکہ یہ افسوس ہے کہ ہم اس پر کیوں نہیں بیٹھے۔ ان کو شیطان کے تخت الٹنے کی فکر نہیں بلکہ اس پر جلوس فرمانے کی فکر مستولی ہے۔ مسلمان مدت سے اس حال میں ہیں کہ وہ اپنے کو بھول گئے ہیں اور دوسری قوموں کی نقالی میں مصروف ہیں۔ اسلام ایک مستقل نظام حیات، نظام اقتصاد، نظام سیاست اور نظام اخلاق کا نام ہے۔ خود اپنے نظامات سے روگرداں ہو کر یا ان میں ترمیم و تبدیلی کر کے دنیا کے دوسرے ناقص و فاسد نظامات کو اختیار کرنے میں اپنی زندگی کی نجات جانتے ہیں۔''

(۳) تیسرا مقالہ ''قومی تعمیر نو میں مذہب کی اہمیت'' ماہنامہ بینات میں جون ۱۹۷۲ء بمطابق ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ اور ''پاکستان کی تعمیر نو میں مذہب کی اہمیت'' کے نام سے ماہنامہ الحق میں اپریل ۱۹۷۲ء کو شائع ہوا ہے۔ یہ مقالہ دراصل پاکستان اکادمی برائے دیہی ترقی پشاور کے علماء پراجیکٹ کے منعقد کردہ علماء کنونشن میں ۲۹ رفروری ۱۹۷۲ء کو پڑھا گیا تھا، جو بعدازاں ان مجلّات میں افادۂ عام کے لیے شائع کیا گیا۔ اس مقالہ میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ بانیان پاکستان کے پیش نظر ملک کی تشکیل کے وقت ہی اسلامی نظام حیات کے تحت زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کرنا تھا اور اسی دائرے میں ملک کی سیاسی، تعلیمی، عدالتی، اقتصادی اور جملہ شعبہ ہائے زندگی کی تعمیر وتشکیل کا فریضہ مرحلہ وار انجام دینا تھا۔ کیونکہ اس خطہ میں رہنے والے لوگوں کا ایک مخصوص مزاج اور ترجیحات ہیں، جن کے رو سے وہ اسلامی طرز زندگی کی نجی، معاشرتی وسیاسی سطح پر بحالی کے بجز کوئی دوسرا آپشن قابل قبول نہیں سمجھتے۔ لہٰذا ملکی تعمیر نو میں اگر مذہب کو اہمیت دی جائے گی تو مملکت خداداد کے حصول کا مقصد پورا ہوگا اور تعمیر وترقی کی راہ کھلی گی۔ اس کے بجز تعمیر وطن کی کوئی دوسری صورت مقاصد کی تکمیل نہیں کر پائے گی۔

(۴) چوتھا مقالہ ۱۵ جولائی ۱۹۸۵ء کو سینٹ میں مولانا قاضی عبداللطیف اور مولانا سمیع الحق شہید کی طرف سے پیش کردہ ''شریعت بل'' کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ یہ مقالہ بنام ''شریعت بل'' ماہنامہ البیان کے اداریہ کے طور پر لکھا گیا، اس کا ابتدائی حصہ ''پاکستان کی تعمیر نو میں مذہب کی اہمیت'' نامی مقالہ کے ایک طویل اقتباس پر مشتمل تھا، جسے تکرار کے پیش نظر حذف کر دیا اور اس کے اضافی حصہ کو اس مقالہ کے معاً بعد مستقل طور شامل کر لیا گیا۔ نفاذ شریعت بل پاکستان میں نفاذ شریعت کی کوششوں کے حوالے سے ایک اہم سنگ میل سمجھا جاتا ہے۔ حضرت مولانا کی بھی یہی رائے ہے جو مقالہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

(۵) پانچواں مقالہ ''حضور انور ﷺ اور معاشی نظام'' حکیم سعید مرحوم کی دعوت پر ہمدرد اکیڈمی کے ایک سیمینار میں پیش کیا گیا۔ بعدازاں اگست ۱۹۷۰ء بمطابق جمادی الاخریٰ ۱۳۹۰ھ کو ماہنامہ بینات کراچی، جولائی ۱۹۷۰ء کو ماہنامہ الحق اور صدق جدید لکھنؤ میں شائع ہوا۔ حکیم سعید مرحوم کی مرتبہ

کتاب ''تذکار محمد ﷺ'' (ناشر: ہمدرد کراچی) میں بھی یہ مقالہ شامل ہے۔ آخری دو مواضع اشاعت میں اس کا نام ''آنحضرت ﷺ بحیثیت دہندہ نظام معاشی واقتصادی'' درج ہے۔

یہ مقالہ اپنی وسعت معلومات، زور بیان، قوت استنتاج اور طرز استدلال میں اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت مولانا نے انسان کی بنیادی معاشی ضروریات کا کفیل خداوند کریم کو بتلا کر یہ ثابت کیا ہے کہ انسان کی اس بنیادی ضرورت کی تکمیل کا لائحہ عمل اور طریق بھی خداوند کی طرف سے ہونا ضروری ہے ورنہ بصورت دیگر اس کے نتائج سنگین معاشی ناہمواریوں کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ آپ نے سرمایہ دارانہ نظام جو سرمایہ کی معبودیت اور پرستش پر قائم ہے کی تکییف قرآن مجید کے پیش کردہ قارونیت واکتنازیت کے نظریہ کے طور پر کی ہے، جس میں دولت چند ہاتھوں میں گردش کرتی ہے اور اس کے نتیجے میں بدترین معاشی ناہمواری وانسانی استحصال کا ظہور ہوتا ہے۔ آپ نے اس کے ردعمل میں اٹھنے والی اشتراکیت واشتمالیت کا بھی تعاقب کیا ہے اور اسے بھی اسلامی روح کے منافی قرار دیا ہے۔ اس مقالہ میں آنحضرت ﷺ کے دیئے گئے معاشی رخ اور اسلام کے نظام تقسیم دولت پر بھی سیر حاصل بحث موجود ہے جو معاش واقتصاد کے پہلو سے اسلام کے نقطہ نظر کو سمجھنے کے لیے کافی ووافی ہے۔

(۶) چھٹا مقالہ ماہنامہ البیان کا اداریہ ہے جو بلاعنوان تھا، بندہ نے موضوع کی مناسبت سے اسے ''مملکت خداداد: عطیہ خداوندی'' کا عنوان دیا۔ اس مقالہ میں وطن خداداد کے حصول کی تحریک کی تاریخی بنیادیں، دوقومی نظریہ اور اس کی سالمیت وبقا کے راز یعنی اسلامی نظام کے نفاذ اور بالادستی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

(۷) ساتواں مقالہ ''اسوۂ نبوی اور عصری شہریت'' ماہنامہ الحق مئی ۱۹۶۶ء میں چھپا۔ یہ مقالہ بھی پاکستان اکادمی برائے دیہی ترقی پشاور کے سیمینار کے لیے لکھا گیا تھا۔ حضرت مولانا اسوۂ نبوی کی روشنی میں شہریت کے خط وخال واضح کرتے ہیں کہ مخلوق ساری کے ساری اللہ کا کنبہ ہے، اس میں بنیادی تقسیم اللہ کے مطیع وفرماں بردار اور نافرمان کی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جس عالمگیر خلافت کی بنیاد ڈالی اس میں نقل وحمل اور سفر وقیام کی مکمل آزادی تھی۔ آپ نے حقوق طلبی سے زیادہ فرض شناسی اور فرض دہی

پر زور دیا، ایک طرف انسانوں کے جملہ طبقات حتی کہ جانوروں تک کے حقوق متعین کیے تو دوسری طرف ان کی ادائیگی کو اہم فریضہ قرار دے کر اس پر وعدو وعید کے ذریعے متنبہ کیا۔ آپ ایک باکمال شہری کی صفات کے ضمن میں آنحضرت ﷺ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی پوری عمر جس ضبط نفس، بے نفسی اور اخلاص کے ساتھ گزاری اس کا تذکرہ سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ آپ کی تعلیمات کا اثر تھا کہ دین کے فروغ اور پھر اسلامی مملکت اور خلافت الٰہیہ کی بقا کے لیے صحابہ کرام نے بغیر کسی دنیاوی لالچ کے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ ہر شہری پر دینی خدمت اور ملکی حفاظت کے لیے جہاد لازم ٹھہرا اور آزادیٔ گفتار اور ضمیر کی وہ آزادی عطا ہوئی کہ ایک بڑھیا اور ایک دیہاتی بدوی امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک کو بھرے مجمع میں ٹوک دیتا ہے اور وہ جب تک اپنی صفائی نہیں پیش کرتے دوسری بات نہیں کر پاتے۔ معاشرتی مساوات کا یہ حال ہے کہ آقا و غلام، امیر و محکوم، شاہ و گدا میں تمیز کرنا مشکل ہے۔ معاشی مساوات اس حالت پر ہیں کہ جو ادنیٰ مسلمان کو میسر آتا ہے۔ سردارِ عالم ﷺ اور ان کے خلفاء اس سے کم لیتے اور نوش فرماتے ہیں۔ بنیادی ضروریات زندگی کی فراوانی کا یہ حال ہے کہ بے سروسامان اور فاقہ کش عرب، شہر انسانی کی اس خدائی قلم رو میں بیس سال کے عرصہ میں فارغ البالی کے اس مقام پر پہنچتے ہیں کہ صدقہ وزکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں ملتا۔''

(۸) آٹھواں مقالہ ''سرکاری ملازم کے کردار کی اہمیت'' بندہ کو مخطوط شکل میں ملا، جو بعد میں ماہنامہ غزالی پشاور میں بھی چھپا۔ یہ مقالہ پاکستان اکادمی برائے دیہی ترقی کی درخواست پر پیش کیا گیا۔ اس مقالہ میں حضرت مولانا نے ملازم کے دائرہ عمل کی تین اسلامی بنیادیں اور ملازم کی چار صفات کو بڑے بسط و تفصیل سے کھولا ہے اور موجودہ مادی فلسفہ اور تہذیب میں ملازم کے بندۂ نفس ہونے کا جو تصور سامنے آیا ہے اور اس کے نتیجے میں ملازم کے عمل کا جو منفی اثر معاشرے اور اس کی ذات پر مرتب ہوا ہے، اسے بھی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ آپ نے ملازم کے عمل کے لیے تین تدریجی بنیادیں ذکر کی ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ خدا کا بندہ ہے اس لیے اس کے ہر عمل میں حق خداوندی اور حکم خداوندی مقدم

ہے۔ دوسری یہ کہ وہ ملک کا ملازم اور وفادار ہے لہٰذا اپنے دائرہ عمل میں ملکی مفادات کو دوسرے درجے میں پیش نظر رکھنا اس پر لازم ہے۔ تیسری یہ کہ ملازمت اس کا معاشی وسیلہ ہے لہٰذا تیسرے مرحلے پر اپنے ذاتی مفاد کی فکر بھی اس کے لیے ناگزیر ہے۔ اگر وہ ان تینوں بنیادوں کو اپنی اپنی جگہ رکھے اور مؤخر کو مقدم نہ کرے تو وہ ایک کامیاب ملازم کا کردار پیش کر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ملازم کے اندر چار صفات بھی ہونا ضروری ہیں۔ پہلی صفت کام کی قوت و برداشت اور دوسری صفت امانت داری ہے، آپ نے ان دو صفات کا قرآنی ماخذ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب علیہ السلام سے معاہدۂ اجارہ قرار دیا، جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مثالی ملازم ہونے کے بارے میں آپ کی دو صفات کا اظہار کیا گیا۔ اِنَّ خَیرَ مَنِ استَاجَرتَ القَوِیُّ الاَمِین۔ تیسری صفت حفاظت اور چوتھی علم و استعداد۔ ان دو صفات کا قرآنی ماخذ آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قبولیت منصب کے وقت انی حفیظ علیم کا ارشاد قرار دیا۔

(۹) نواں مقالہ ''تہذیب حاضر اور مسلمان'' حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے شہرہ آفاق مقالہ ''نیا طوفان اور اس کا مقابلہ'' پر تبصرہ و تاثرات' کے عنوان سے صدق جدید لکھنؤ میں ۲۰ مئی تا ۱۷ جون ۱۹۶۰ء پانچ اقساط میں شائع ہوا، بعد ازاں ''تہذیب حاضر اور مسلمان'' کے نام سے البیان پشاور (نومبر ۱۹۸۳ء) میں بھی شائع ہوا۔ اس مقالہ میں مغرب کے لادینی و دجالی تہذیب جو عالم اسلام پر تعلیم سائنس و ٹکنالوجی، سوشل سائنسز اور معاشی استبداد کے راستے سے پوری طرح حملہ آور ہے اور نئی نسلوں کو فکری ارتداد کے بھنور میں پھانس چکی ہے، کا بھرپور محاکمہ کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ لادینی نہاد تہذیب اپنی اصل میں تمام تر قابل ترک اور جاہلیت قدیمہ کا مظہر ہے، جس کے عفریت نے انسانیت کا لہو چوس کے رکھ دیا ہے۔ آپ نے اس تہذیب کے شکار عالم اسلام کے مختلف خطوں میں فرنگی مآبی کے مشاہدات پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے تباہ کن اثرات کے انسداد اور مقابلہ کے لیے پانچ تجاویز بھی پیش کی ہیں جو اس مقالہ کی جان کہے جا سکتے ہیں۔

(۱۰) دسواں مقالہ ''رومی کا پیام عصر حاضر کے نام'' کے تعارف میں حضرت مولانا خود لکھتے ہیں:

یہ تقریر ۲۹ رمئی ۱۹۷۱ء کو شعبہ انگریزی پشاور یونیورسٹی کے زیر اہتمام بعد از نماز عصر ہوئی۔ تقریب کے روح رواں عزیزی وحبیبی سید مسرت حسین شاہ البخاری صدر ''بزم انگریزی'' تھے۔ بندہ عزیزم شیر حسن خان سینئر لیکچرر ایگریکلچر کالج پشاور کا ممنون ہے کہ انہوں نے فقیر کی اس فی البدیہہ تقریر کو لکھ لیا۔ اب تبییض کے بعد پیش کی جارہی ہے۔

یہ مقالہ ماہنامہ بینات کراچی میں (دسمبر ۱۹۷۱ تا اپریل ۱۹۷۲ء) پانچ مبسوط اقساط میں شائع ہوا۔ نومبر ۱۹۷۱ء میں اسے انگلش لٹریری کلب پشاور نے کتابی صورت میں بھی شائع کیا، نیز سلیمان اکیڈمی پشاور سے بھی کتابی صورت میں طبع ہوا۔ یہ مقالہ حضرت مولانا کے رومی شناسی کا شاہکار ہے، شاید ہی آپ کے معاصر اہل علم میں کوئی اتنا بڑا رومی شناس پایا جاتا ہو۔ یہ مقالہ رومی کے انقلاب باطنی کے اسباب، مادیت سے روحانیت کی طرف سفر اور عقل جزئی سے عقل کلی کے مدارج تک رسائی کی مکمل کہانی خود رومی کی زبانی پیش کرتا ہے۔ کلام رومی سے عصر حاضر کے مادی بحرانوں کا باریکی وعرق ریزی سے حل کشید نا، عقلی شبہات وتسویلات کی بے مائیگی واضح کرنا اور موجودہ مادیت زدہ بیمار انسان کے لیے رومی کی روحانیت سے آب شفاء کی تصویر کشی اپنی مثال آپ ہے۔ یہ مقالہ مادیت کے بحرانوں کے مقابلہ کے لیے خود انسان کے باطن کے اس خوابیدہ جوہر کو بیدار کرتا ہے جس کے سامنے مادی طوفان محض تار عنکبوت دکھائی دیتے ہیں۔ بندہ کے ناقص خیال میں اس مجموعہ کی جان یہی مقالہ ہے۔

(۱۱) گیارہواں مقالہ ''خودی اور قرآن'' کے عنوان سے معنون ہے، یہ مقالہ حکیم محمد سعید صاحب کی دعوت پر شام ہمدرد کے بزم میں پیش کیا گیا، بعد ازاں ماہنامہ البیان مارچ ۱۹۸۴ء پشاور میں شائع ہوا۔ اس مقالہ میں علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ کے تصور خودی کا قرآنی حقائق کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔ حضرت مولانا علامہ اقبال کے تصور خودی کا تعارف کرتے ہوتے رقم طراز ہیں:

اقبال کے نزدیک خودی ایک حقیقت ثابتہ اور ایک مستقل ضابطہ حیات ہے، جو طے شدہ نوامیس وقوانین زندگی سے عبارت ہے۔ جس کا تانا بانا بناءِ وجود، نشوونما وارتقا، مؤمنانہ عقائد ویقین، اخلاق وصفات، مزایا وکمالات، اسلامی علوم واقدار، دینی تعلیمات وافکار اور قرآنی احکام وہدایات

پر مبنی ہے، گویا 'خودی' خود ایک مستقل دستور حیات، لائحہ عمل اور طے شدہ منہج اخلاق اور طرز ماند وبود ہے۔

اس تصور کی وضاحت میں آپ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی محنت اور قرآنی حقائق کو بسط وتفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔

(۱۲) بارہواں مقالہ ''اسلامی قمری تقویم کی اہمیت'' ماہنامہ البیان اکتوبر ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا، اس مقالہ میں قمری تقویم پر عبادات کے مدار اور شمسی تقویم کے مقابلے میں اس کی خصوصیات ومزایا کو واضح کیا ہے۔ حضرت مولانا قمری تقویم کے نفاذ ورواج کو تہذیبی پس منظر میں دیکھتے ہیں اس لیے رقم طراز ہیں:

امت جب زندہ تھی، پورے عالم میں جہاں بھی وہ بستی تھی، اسی اسلامی قمری تقویم کو اپنائے ہوئے تھی۔ جب مغرب کے استعمار واستیلا نے اپنا صور پھونکا تو جہاں اسلامی تشخص کی دوسری چیزیں ملت کے ایک بڑے طبقے نے گم کردیں، وہاں ''قمری'' تاریخ کا رواج بھی چند محدود طبقات اور صورتوں میں منحصر ہو کر رہ گیا۔ ہمارا سال محرم سے شروع ہوتا ہے۔ کاش اس نئے سال کی ابتدا سے امت کا ہر طبقہ اور گروہ انفرادی واجتماعی طور پر اس ''اسلامی قمری تقویم وحساب'' کو اپنا معمول اور شعار بنالے۔

(۱۳) تیرہواں مقالہ ''اسلام میں مسجد کی اہمیت'' بندہ کو بشکل مخطوط دستیاب ہوا، یہ مقالہ پشاور یونیورسٹی میں حکومت شارجہ کی طرف سے مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے کے موقع پر پیش کیا گیا۔ اس میں حضرت مولانا نے اسلام کے نظام مساجد اور مسلمانوں کی زندگی میں مسجد کی ہمہ جہت اور ہمہ گیر کردار پر جامع انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

مسجد صرف ان کی عبادت گاہ ہی نہ تھی بلکہ وہی ان کا دارالامارت تھا۔ وہی دارالشوریٰ تھا، وہی بیت المال تھا۔ وہی صیغہ جنگ کا دفتر تھا۔ وہی درسگاہ وہی خانقاہ اور وہی معبد تھا۔ مسجد سے ہی مسلمانوں کی شیرازہ بندی قائم تھی اور مسجد ہی مسلمانوں کے ہر قومی اجتماع کا مرکز تھا اور نماز اس

مرکزی اجتماع کی مرکزی رسم تھی۔

آپ نے مسلمان بادشاہوں کی مساجد کے ساتھ شغف کی تاریخ پیش کرنے کے بعد اس بات کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے کہ اس دورِ زبوں پیہم میں معاشرے کی اسلامی ساخت کی بحالی اس طور پر ممکن ہے کہ مسجد کو اس کا کردار واپس کر دیا جائے۔

(۱۴) چودھواں مقالہ ''اقبال کا مردِ مسلم'' ماہنامہ الحق اپریل ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔ اس مقالہ کا موضوع کلام اقبال سے ان منتخب اشعار کی تشریح ہے جن میں بندۂ مؤمن کی جلالی و جمالی صفات کا بیان ہے۔ حضرت مولانا نے واضح کیا ہے کہ مؤمن کی یہ صفات متضادہ دراصل صفات الٰہیہ کا اثر ہے جو خدائی رنگ (صبغة الله) چڑھنے کے بعد مؤمن میں نمو پاتی ہیں اور انہی صفات کا حامل مؤمن ہی صفحہ گیتی پر اپنا نقش دوام ثبت کرتا ہے۔ قہاری و غفاری اور قدوسی و جبروت جیسی صفات اس کا خمیر ہیں اور انہی عناصر سے ڈھلا انسان ہی نیابت خداوندی کے منصب جلیل کا حق دار ٹھہرتا ہے۔

(۱۵) پندرھواں مقالہ ''موجودہ تعلیمی مسائل اور ان کا حل'' جیسا کہ اپنے عنوان سے ظاہر ہے، موجودہ نظام تعلیم کی خرابیوں اور ان کی اصلاح کی تجاویز اور متبادل نظام تعلیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ یہ مقالہ ماہنامہ عزم نو لاہور کے تعلیم نمبر ۱۹۷۰ء کے لیے لکھا گیا بعد ازاں ماہنامہ البیان جنوری ۱۹۸۴ء میں بھی شائع ہوا۔ اس مقالہ میں حضرت مولانا نے اقبال اور رومی کے کلام سے ایک ٹھوس اسلامی تعلیمی نظام کی ساخت و خصوصیات کا نقشہ کھینچا ہے۔ پھر واضح کیا ہے کہ نظام تعلیم کی اصل خرابی سائنس و ٹیکنالوجی سے آگے بڑھ کر عمرانی علوم یعنی سوشل سائنسز میں مغرب پر ہمارا انحصار ہے۔ دوسرا المیہ یہ ہے کہ نظام تعلیم میں تعلیم کو مضبوط اخلاقی بنیادیں فراہم کرنے میں بدترین تساہل سے کام لیا گیا ہے، اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> موجودہ نظامِ تعلیم میں اخلاق کے بچاؤ یا سنوارنے کے لئے کوئی بنیاد قائم نہیں تھی، جو مغرب کے بے خدا اور بے حیا نظامِ تعلیم کا ایک خاصہ ہے۔ اس کے چلن و رواج سے ہمارے نوجوانوں میں اخلاقی انتشار اور بے راہ روی پیدا ہوگئی۔ ہمارے مرحوم نظامِ تعلیم میں جو فارسی کی

> ابتدائی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، ان میں گلستان، پنج گنج، بوستان جیسی اخلاق کے پیدا کرنے والی کتابیں تھیں۔ نتیجہ یہ تھا کہ ہم اپنے علمی، اخلاقی ورثہ اور اقدارِ ملی سے محروم ہو گئے اور مغرب کی تعلیم نے ہمارے اس اخلاقی خلا اور دینی اضمحلال کا مداوا نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امت کا تعلیم یافتہ، ذہین طبقہ ایسی ذہنی کشمکش اور انتشار میں مبتلا ہوگیا، جس نے مذہب کے بارے میں ہولناک، خطرناک اور بھیانک ارتیاب اور تذبذب کی کیفیت پیدا کر دی اور ایک جدید فرقہ ارتیابیہ (Agnostics) پیدا ہوگیا اور اسلام جو نرا یقین تھا اور جس کی کتابِ منزل کا پہلا فقرہ "لا ریب فیه" تھا، اس طبقے نے اسے ریب و شک سے دیکھا اور یقین کی بے بہا دولت سے محروم ہوگیا اور وہ ورثۂ ملی اور دینی اقدار جس سے ملت کا نظام قائم تھا، اس کی نگاہوں میں مضمحل و متزلزل بلکہ اوجھل ہوگیا اور یہ اتنا بڑا ملی حادثہ ہے جس سے ملت کی چولیں ہل گئیں اور امت بے زمام و بے مقصد ہو کر رہ گئی۔

ان خرابیوں کی وضاحت کے بعد آپ نے متبادل نظام کے طور پر ابتدائی، ثانوی اور جامعاتی تعلیم کے لیے ایک مؤثر اور قابل عمل خاکہ پیش کیا ہے اور اس میں نصاب تک کے خطوط اور طرز تعلیم کی رہنمائی کی ہے، نیز ذریعہ تعلیم کے لیے اردو زبان کی بحالی پر زور دیا ہے۔ اگر اس متبادل خاکہ میں پیش کردہ خطوط پر کچھ مخلص اور ماہر لوگ کام کریں تو ایک اسلامی مملکت کے لیے ٹھوس اور نتیجہ خیز نظام تعلیم کی تشکیل کا معرکہ سر کر سکتے ہیں۔

(۱۶) سولہواں مقالہ ''دینی و دنیوی علوم کا تلازم'' اپنے حساس موضوع کے اعتبار سے انتہائی اہم ہے۔ یہ مقالہ ماہنامہ البیان اکتوبر ۱۹۸۳ء، ماہنامہ الرشید اور ماہنامہ الحق مئی ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔ ماہنامہ الرشید میں اسے ''ہمارے تعلیمی مسائل'' اور ماہنامہ الحق میں اسے ''دینی تعلیم اور عصری تقاضے'' کے عنوان سے معنون کیا گیا۔ ہمارے ہاں بعض عناصر دینی تعلیم کے ساتھ دنیاوی علوم کے اشتراک کے داعی ہیں لیکن اس انداز سے کہ دینی تعلیم کی محض پیوندکاری ہو اور اصل دنیاوی علوم و فنون ہوں۔ حضرت مولانا نے اس مقالہ میں واضح کیا ہے کہ ہمارے علوم کی بنیاد اور اساس علوم معاد ہیں، علوم معاش محض

ضرورت ہیں۔لہٰذا اصل کو اصل ہی کے درجے پر رکھنا ضروری ہے۔آپ لکھتے ہیں:

> علوم دنیاوی کی ترقیات، جدید ایجادات و اکتشافات دنیا کا رنگ بدلتے رہتے ہیں اور ہر جدید ہر قدیم کی جگہ لے لیتا ہے اور اس "تغیر آباد عالم" میں ان لازوال علوم کی امین و حامل امت کو نئے حالات سے دو چار ہونا پڑتا ہے اور علوم نبوت کی محافظ و داعی ہونے کی حیثیت سے ہر زمانہ کے تقاضوں، اس کی للکار و تحدی (چیلنج) کا مقابلہ اس صورت سے کرنا پڑتا ہے کہ "اصل علوم نبوت" پر آنچ نہ آنے پاوے۔ چنانچہ ہر دور میں اساطین امت نے زمانے کے تقاضوں کو مدنظر رکھنے کے باوجود تعلیمی خاکوں میں جو رنگ بھرا اور حذف و اضافہ، حک و ترمیم کا جو عمل بھی اختیار فرمایا۔ انہوں نے اس میں اصل امانت یعنی "منصوص و منقول" علوم معاد کی لفظاً و معناً کلی حفاظت کی اور اس کی روح کی بقا کا پورا پورا اہتمام فرمایا اور کسی صورت "علوم نبویہ" کے مقام و حیثیت کو مجروح نہیں ہونے دیا۔

دوسرا اہم نکتہ آپ نے یہ واضح کیا ہے کہ موجودہ دور کے تحدیات کا مقابلہ کرنے کے لیے دینی علوم کے ساتھ دنیاوی علوم کا حصول از حد ضروری ہے، علوم کے ارتقاء نے اب یہ گنجائش نہیں چھوڑی کہ محض قدیم نصاب سے ایک جامع فاضل کی تیاری کی ضرورت پوری ہو۔ نیز قدیم نصاب جو یونانی فلسفہ تعلیم کے اثرات سے متاثر ہے کو اس گرداب سے نکالنے کی ضرورت ہے، دینیات یعنی قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم میں یونانی فکر و فلسفہ کے جو جراثیم در آئے ہیں سے خلاصی از حد ضروری ہے اور دینیات کی تعلیم اصل ساخت پر بحال کرنا لازمی ہے جس کے لیے نصاب میں متاخرین کی بجائے متقدمین کی کتب سے اعتنا لابدی ہے۔اسی طرح عربی ادب میں بھی مقاماتی طرز نگارش اور اسلوب بیان کو ترک کر کے قرآن و حدیث کے ذخیرے سے استفادہ کی حاجت ہے۔

آپ کی نظر میں قدیم دینی نصاب کو یونانی اور عصری علوم کے نصاب کو فرنگی و مغربی اثرات سے آزاد کیے بغیر ایک مؤثر اور مفید تعلیمی نظام کی تشکیل مشکل ہے۔اس کے ساتھ ساتھ مدارس میں اصل جوہر یعنی تعلق مع اللہ کی وہ کیفیت برقرار ہو جو ایک مسلمان کو کامل اور مفید مسلمان بناتی ہے۔تو یہ علوم

قدیم و جدید اپنے بہتر نتائج دے سکتے ہیں۔اس نکتے کی طرف آخر میں اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ہمارے مدارس علوم دینی و دنیوی کے عظیم الشان ادارے بن جائیں۔علوم جدیدہ و قدیم کے سمندر ہوں، علوم باطلہ کے ابطال کے مضبوط قلعے ہوں۔لیکن اہل مدرسہ کے دل کمالِ یقین و ایمان، معرفت و للہیت، اخلاص و تقویٰ، حب الٰہی، خشیتِ ربانی اور فکرِ آخرت و طلب رضائے حق سے سرشار نہ ہوں، تو کیا مدرسے پھر کامل دینی مدارس کہلائے جاسکتے ہیں؟

(۱۷) سترہواں مقالہ "تعلیمی پالیسی اور چند مشورے" ماہنامہ بینات ستمبر ۱۹۶۹ء اور ماہنامہ الحق میں شائع ہوا۔اس میں اس وقت کی حکومت کی طرف سے نظام تعلیم کی بہتری کے لیے بنائی گئی پالیسی پر نقد اور مشورے دیئے گئے ہیں۔اس میں اہم نکتہ مدارس کے حوالے سے یہ ہے کہ حضرت مولانا نے مدارس کو بالکلیہ ملکی نظام تعلیم میں مدغم کرنے کی مخالفت کی ہے اور مشنری سکولوں کو حکومتی تحویل میں لینے کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔

(۱۸) اٹھارہواں مقالہ "دیوبندی مدرسہ فکر" ماہنامہ الرشید لاہور کے دارالعلوم دیوبند نمبر ۱۹۷۶ء کے لیے لکھا گیا، بعد ازاں ماہنامہ بینات اپریل ۱۹۷۶ء میں بھی شائع ہوا۔اس مقالہ میں دیوبندی مکتب فکر کے بانیان کے ورع و تقوی اور علم و فضل کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کی مسلک اہل السنہ والجماعہ سے وابستگی اور ہندوستان میں علوم دینیہ کی بقا و ترویج، دعوت دین کے لیے تبلیغی و تصنیفی مساعی، ہندوستان میں اسلامی معاشرت کی بقا کی جدوجہد اور خلاصی وطن کے لیے کوششوں میں نمایاں اور اساسی کردار کا تذکرہ ہے۔

(۱۹) انیسواں مقالہ "استعمار کی کہانی اور جامعہ امدادالعلوم کی تاسیس" ماہنامہ البیان نومبر ۱۹۸۳ء کا ایک اداریہ ہے جو آغاز بیان کے نام سے شائع ہوتا تھا، موضوع کی مناسبت سے مرتب نے اس کو یہ عنوان دیا ہے۔اس مقالہ میں انگریز کے برصغیر پر غاصبانہ تسلط، اس کے خلاف علماء کے جہد و جہاد، جہاد کی ظاہری ناکامی کے بعد انگریز کی مشنری سازشوں اور اہل ایمان کے ارتداد کے لیے کوششوں کا تذکرہ ہے۔اسی ضمن میں پشاور میں قائم یہودی ٹمپل کے فری میسن نمائندوں کی توبہ اور اس جگہ جامعہ

امدادالعلوم کے قیام کی مکمل تاریخ پیش کی گئی ہے۔

(۲۰)اس جلد کا آخری اور بیسواں مقالہ'' ارمغان سلیمان پر ایک نظر'' ماہنامہ الحق میں نومبر ۱۹۶۶ء سے جنوری ۱۹۶۷ء تک تین قسطوں میں شائع ہوا، یہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے شاعری مجموعہ مرتبہ: مولانا غلام محمد حیدرآبادی ثم کراچوی پر تبصرہ ہے۔ کتاب پر تبصرہ سے زیادہ اپنے شیخ کی اشعار کی معنوی خوبیوں اور مختلف النوع اصناف پر مشتمل ہونے کی وضاحت کی گئی ہے اور بلاشبہ حضرت سید صاحب کی شاعری کا فنی کمال اور معنوی گہرائی کا عمدہ ترین تعارف پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کا تعارف کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

ارمغان سلیمان رحمۃ اللہ علیہ اور اس کی تقریب مرتب کی اپنے شیخ سے محبت ولگن کا نشان اور ان کے مذاق سلیم، سخن فہمی وسخن سنجی پر شاہد ہے۔ مجموعہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ادوارِ زندگی کی رعایت سے دو حصوں پر مشتمل ہے: ۱۔ غزل الغزلات۔ ۲۔ دورِ اول کا کلام۔

غزل الغزلات حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے اس عارفانہ کلام کا نام ہے جو حکیم الامۃ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اسے ارادت کے بعد کہا گیا۔ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مجموعہ کا نام حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحیفۂ عہد عتیق کے نام کی رعایت وموزونیت سے ''غزل الغزلات'' خود تجویز فرمایا تھا۔ یہ حصہ ارمغان کے صفحہ ۶۶ تک پھیلا ہوا ہے۔ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسے اپنی شاعری کا حاصل سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے ''میری شاعری (عارفانہ والہامی۔ اشرف) حضرت والا مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق سے شروع ہوئی اور ان کے وصال پر ختم ہوگئی۔''

لیکن دور اول کی شاعری بھی ایمانی غیرت اور ایقان کا مرقع ہے، اس کا تعارف کرتے ہوئے حضرت مولانا لکھتے ہیں:

بہرحال دورِ اول کا کلام جو فاضل مرتب کی مساعی سے مجموعہ کی زینت بن سکا ہے، وہ ایک نعت، چوبیس غزلوں، نو منظومات، چند رباعیات وقطعات اور طالب علمی کے ایک استاذانہ فارسی قصیدہ پر مشتمل ہے، جو اس ہونہار شاگرد نے اپنے استاذ شبلی مرحوم کی مدح میں کہا تھا۔۔۔۔۔ دور اول

کے کلام میں جو منظومات ہیں وہ بھی شاعر کی غیرت وحمیت ملی کا نشان، حقائق کا بیان اور اصلاحی رنگ کو لیے ہوئے ہیں، سیاسی نظموں میں بلا کی ایمائیت ہے اور یہ نظمیں سیاسی فراست وبصیرت کا آئینہ ہیں۔

اس جلد کے مقالات کی کتابت وترتیب کے دوران آیات کریمہ، احادیث مبارکہ اور دیگر ماخذ کے حوالوں کو از سرنو دیکھنے اور جانچنے کا اہتمام کیا گیا، جہاں کتابتی غلطیاں تھیں انہیں دور کیا گیا، لیکن حوالہ پیش کرنے کے طریقہ کو وہی رکھا گیا جس کا التزام حضرت مولانا نے کیا تھا اور آج کل کے مروجہ مینول کی پابندی کو لازم نہیں سمجھا گیا۔

جلد دوم

حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کے گراں قدر اور سدا بہار مقالات کی دوسری جلد میں کل اکیس مقالات شامل ہیں۔ سیرت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعض پہلو اور دعوت وتبلیغ اور اصلاح وارشاد ان مقالات کا موضوع ہے۔ ذیل میں ان کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

(۱) پہلا مقام '' نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ماہنامہ بینات (جون، جولائی ۱۹۷۶ء) اور ماہنامہ الحق (جون، جولائی ۱۹۷۶ء) میں شائع ہوا، یہ مقالہ انٹرنیشنل سیرت کانفرنس منعقدہ مارچ ۱۹۷۶ء کے لیے لکھا گیا، بعد ازاں عربی اور انگریزی میں بھی ترجمہ ہوا اور سلیمان اکیڈمی پشاور سے کتابچہ کی صورت میں شائع ہوا۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان رحیمی جو آپ کا لازمہ تھا کی ہمہ گیریت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت زمان ومکان کی وسعتوں پر چھائی ہوئی اور ازل وابد پر محیط ہے۔ آپ کا ہر قول وفعل، ہر ارادہ وعمل، ہر حرکت وسکون، ہر تکلم وسکوت، ہر نظریہ وفکر، زندگی کا ہر جزو وکل رحمت ہی رحمت ہے۔ نہ صرف آپ کی ذات بابرکت ہی سراپا رحمت ہے، بلکہ آپ کا دیا ہوا صحیفۂ الٰہی، آپ کا پہنچایا ہوا دین، آپ کی لائی ہوئی عبادت، آپ کی شریعت اور اس کا ایک ایک حکم، آپ کا پیش کردہ طرزِ ماندوبود، ونظام ہائے معیشت ومعاشیات، واقتصاد وسیاسیات، عدل ومعاشرت

اور انسان کے جملہ طبقات اور مختلف شعبہ ہائے زندگی کے بارے میں ہدایات سب نبی رحمت ہیں۔

پھر پورے مقالہ میں اسی اجمال کی کسی قدر تفصیل پیش کی گئی ہے۔

(۲) دوسرا مقالہ ''قرآن کریم میں نعت مصطفوی'' ماہنامہ الرشید لاہور کے نعت نمبر ۱۴۱۱ھ کے لیے بطور مقدمہ لکھا گیا، اس میں قرآن مجید سے ان آیات کو مع ترجمہ اور مختصر تشریح کے جمع کیا گیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے خود آنحضرت ﷺ کی نعت فرمائی ہے، آپ نے قرآن مجید سے آنحضرت ﷺ کے چھبیس اسماء مدحیہ ذکر فرمائے ہیں اور پھر ہر ایک پر آیت کریمہ پیش کی ہے۔ اس کے بعد وہ صفات ذکر کی ہیں جن میں آپ ﷺ کا دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ اشتراک تھا، پھر ان صفات مبارکہ پر آیات پیش فرمائی ہیں جو صرف آپ ﷺ کے ساتھ خاص تھیں۔ آخر میں قرآن مجید نے آپ ﷺ کے اعضاء مبارکہ کا جن جن آیات میں تذکرہ کیا ہے، وہ ذکر فرمائی ہیں۔ غرض پورا مقالہ قابل دید واستفادہ ہے اور اپنی موضوع کی ندرت کے اعتبار سے قابل رشک۔

(۳) تیسرا مقالہ ''آنحضرت ﷺ کے داعیانہ اخلاق'' ماہنامہ بینات (اکتوبر ۱۹۷۶ء تا فروری ۱۹۷۷ء) پانچ مبسوط قسطوں میں شائع ہوا۔ بعد ازاں سلیمان اکیڈمی پشاور سے مستقل کتابچہ کی صورت میں بھی شائع ہوا۔ اس مقالہ میں آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کے بعض پہلو اور تعلیم و دعوت میں آپ کے برتے ہوئے اخلاق عالیہ کا والہانہ تذکرہ ہے۔ آپ کا کہنا ہے کہ آج ملت میں دعوتی اور اصلاحی کاموں کا نتیجہ خیز نہ ہونا اسی وجہ سے ہے کہ داعی اول کے داعیانہ اخلاق فراموش کر دیے گئے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

> آج ملت میں لیڈرانہ مرض عام ہوتا جاتا ہے کہ اسلام کی ہر ایک آواز دیتا ہے لیکن اس کی پرواز پر کوئی نہیں جاتا۔ اس کے گن ہر ایک گاتا ہے اور اسے امت کے ہر مرض کا مداوا اور اکسیر اعظم اور اس کی نجات کے لئے واحد علاج قرار دیتا ہے لیکن عملی زندگی میں ایک قدم بھی اس سمت میں نہیں بڑھاتا۔ یہی سبب ہے ہماری دینی پژمردگی، اخلاقی اضمحلال اور دنیاوی زوال کا۔

> ہمارے قول و دعوت کو ہمارا فعل و عمل جھٹلاتا ہے۔ ہماری دعوتی مجالس اسی لئے بے اثر، ہمارے تبلیغی ادارے اسی وجہ سے بے جان اور ہماری احیاء دینی کی کوششیں اسی لئے سعیٔ لاحاصل ہیں۔ اسی لئے وقت کی پکار ہے کہ اسلام کے داعی اول، انسانیت کے سب سے بڑے مصلح اور معلم اخلاق ﷺ کی داعیانہ زندگی کا بغرض استفادہ واتباع مطالعہ کیا جائے کہ وہ کیا بنیادیں تھیں جن پر ''ام القریٰ'' کے نبی امی (فداہ امی وابی) ﷺ نے اپنی دعوت کو استوار کیا تھا۔ تاکہ ہم پھر اس نور سے فیض پا کر اور اس نمونہ کو اپنا کر اپنی زندگی کو نکھار اور اپنے اخلاق کو سنوار سکیں کہ ہر امت کی اصلاح اس نبی کے طریقہ کے مطابق ہی ہو سکتی ہے۔

یہ مقالہ ایک داعی دین کو وہ بنیادی روح مہیا کرتا ہے جس کے بغیر دعوت دین کی محنت کا ثمرہ خیز ہونا ممکن نہیں۔ اس مقالہ کا ایک جزء ''عظیم ترین معلم اخلاق ﷺ'' مستقل مضمون کی شکل میں ماہنامہ البیان پشاور میں بھی شائع ہوا ہے۔

(۴) چوتھا مقالہ ''عصمت انبیاء کرام علیہم السلام اور انعام نبوت'' ماہنامہ البیان دسمبر ۱۹۸۳ء کے اداریہ کے طور پر لکھا گیا۔ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے کہ اس مقالہ میں نبوت کا اجتباء اور موہبت الٰہی ہونا اور انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت پر بحث کی گئی ہے۔ مسلک اہل السنہ والجماعہ کے مطابق عقیدہ عصمت انبیاء کرام علیہم السلام کی وضاحت اور اس حوالے سے غلط تعبیرات پر نقد کرتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں لکھتے ہیں:

> عصمت، انبیاء علیہم السلام کی صفات لازمہ اور ذاتیہ میں سے ہے جس سے اللہ نے اپنے ان برگزیدہ بندوں کو نوازا اور جملہ انسانوں سے ممتاز کیا اور اپنی خصوصی عنایت سے انہیں ہر چھوٹے بڑے گناہ سے محفوظ فرمایا اور معصیت اور اپنے اوامر کی مخالفت سے باز رکھا کہ حکمت الٰہی نے انہیں قدوہ اور اسوۂ صالحہ بنایا ہے کہ ان کا عمل شریعت و دین ہے۔ اگر وہ گناہ کرتے تو (العیاذ باللہ) گناہ جائز ہو جاتا اور یہ شرعاً و عقلاً محال ہے۔ پس عصمتِ انبیاء سے کلی یا جزوی انکار حکمت تشریعی اور حقیقت نبوت سے ناواقفیت کا نشان ہے۔ اسی طرح بشریت کے اثبات کے لئے

عصمت کا کسی وقت کے لئے اٹھالیا جانا بھی انتہائی مہلک مغالطہ ہے کہ نبی کی انسانوں کے ہاں پیدائش، کھانا پینا، عام انسانی ضروریات کا رکھنا اس کی بشریت کا خود اظہر من الشمس ثبوت ہے۔ اس لئے گناہ کروانے کیلئے عصمت کا اٹھایا جانا نبوت سے مذاق کے مترادف ہے۔ نبی اولاً و آخراً، ظاہراً و باطناً ہر حال و مقام میں معصوم ہے اور ہر چھوٹے بڑے گناہ سے پاک و بری ہے۔

(۵) پانچواں مقالہ ''جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان'' ماہنامہ البیان جنوری ۱۹۸۴ء کے اداریہ کے طور پر لکھا گیا، اس مقالہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل، اجتبائی شان، خلاصہ رشد و ہدایت اور ان کی حفاظت و ولایت پر بحث کی گئی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد انسانیت کا خلاصہ، رشد و ہدایت کا مینار، اسلام کی برتری و حقانیت کا نشان و ثبوت ہیں۔ ان کی محبت ایمان کی دلیل اور ان کا بغض نفاق کی علامت ہے۔ قدسیوں کا یہ گروہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تربیت یافتہ، نگاہ و کرم کا پروردہ اور آپ کی زندگی کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ جس کی نظیر امم سابقہ کی زندگی میں نہیں ملتی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پا کر وہ آپ کی زندگی کے مثنیٰ اور نمونہ بن گئے تھے۔ بنی آدم کا یہ وہ مختار و مجتبیٰ، پسندیدہ اور منتخب طبقہ تھا جن کے لئے رضائے الٰہی کی قرآنی شہادت نے مغفرت تامہ اور ایمان پر موت کو لازم قرار دے دیا تھا۔

حضرت مولانا نے اس مقالہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اہل السنہ والجماعہ کے عقائد کی طرف دقیق اشارات کیے ہیں اور یہ نکتہ پیش کیا ہے کہ صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت کا نچوڑ تھے، خدانخواستہ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثالی نمونہ قرار نہ پائیں اور ان کے کردار میں کیڑے نکالیں جائیں تو یہ بالواسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت نبوت کے ناکام ہونے کا دعویٰ ہے۔ اعاذنا اللہ منہ

(۶) چھٹا مقالہ ''پیام رساں امت'' کل پاکستان مؤتمر علوم اسلامیہ جامعہ پشاور منعقدہ مارچ ۱۹۶۴ء کے لیے لکھا گیا، اس مقالہ کا مواد بتاتا ہے کہ یہ تبلیغی جماعت کے دستور اور لائحہ عمل کی وضاحت

کرتا ہے، گو کہ تبلیغی جماعت اپنے کام کو تحریری بنیاد پر نہ سمجھ سکنے کا دعویٰ رکھتی ہے، تاہم حضرت مولانا کی یہ تحریر اور کئی ایک دیگر تحریریں تبلیغی محنت کا بہترین تحریری تعارف ہیں۔ بلکہ جماعت کی موجودہ عملی سطح سے کام کی حقیقت کو کما حقہ سمجھنا کافی مشکل ہو گیا ہے، اس تحریک کی آفاقیت و ہمہ گیریت کو سمجھنے کے لیے مستند ترین ذریعہ غالباً اب یہی تحریریں ہیں جو جماعت میں عملاً شریک حضرت مولانا یا ان کی سطح کے دیگر زعمائے ملت نے اس دور میں تبلیغی کام کے تعارف کے سلسلہ میں لکھی ہیں۔ حضرت مولانا نے خود تصریح فرمائی ہے کہ ان کا مبسوط مقالہ ''اسلام کا نظام ہدایت'' تبلیغی کام کو سمجھنے میں مدد و معاون ہوگا، یہ مقالہ چھ سو صفحات پر مشتمل تھا، لیکن بعض کرم فرماؤں کے ہاتھ سے مسودہ ہی غائب ہو گیا۔

''پیام رساں امت'' ماہنامہ بینات کراچی (اکتوبر، نومبر ۱۹۶۴ء) میں دو اقساط میں شائع ہوا اسے مستقل کتابچہ کی صورت میں بھی شائع کیا گیا۔ اس مقالہ کا ایک جزوی حصہ ''موجودہ دینی انحطاط اور اس کا بڑا سبب'' ستمبر ۱۹۶۶ء کے ماہنامہ الحق میں شائع ہوا۔ جب کہ اس کا ابتدائی حصہ'' دینی دعوت اور اس کے تقاضے'' بھی چھ تبلیغی نمبروں کے حوالے سے آپ کے رسالہ میں بطور مستقل مضمون شائع کیا گیا۔

اس مقالہ میں امت محمدیہ کی بعثت پر روشنی ڈالنے کے بعد اس امت کے دو بڑے گروہوں یعنی علماء و عوام کی ذمہ داریوں کو متعین کیا گیا ہے۔ نیز اس وقت کے درپیش مغربی فکر و فلسفہ کے تحدیات، اس سے عہدہ برآ ہونے کے طریقہ کار، خصوصاً نظام تعلیم میں ناگزیر اصلاحات کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ یہ مقالہ ایک داعی کے لیے بہترین زادراہ ہے اور دعوت دین کی تحریکوں کے لیے بہترین لائحہ عمل۔

(۷) ساتواں مقالہ ''امت محمدیہ کی بعثت و مقام'' ماہنامہ البیان مارچ ۱۹۸۴ء تا جون ۱۹۸۴ء اداریے کے طور چار قسطوں میں شائع ہوا۔ اس مقالہ کا موضوع وہی ہے جو ''پیام رساں امت'' کے ابتدائی حصہ میں زیر بحث لایا گیا ہے۔ لیکن اس میں تفصیلی بحث اور اکثر نئے مواد کی وجہ اسے مستقل مقالہ کے طور پر شامل کیا گیا ہے اور مکررات میں شامل نہیں کیا گیا۔ یہ مقالہ اس نکتہ کی تفصیلی دلائل مہیا کرتا ہے کہ سلسلہ نبوت ختم ہونے کی وجہ سے انبیاء کرام کی بعثت کی طرح امت محمدیہ بھی من حیث المجموع مبعوث ہے اور اس پر بھی دعوت دین کی ذمہ داری تا قیامت ڈالی گئی ہے، امت ترقی کے معراج کو تبھی پا

سکتی ہے جب یہ اپنے مقام بعثت کو پہچانے اور اس کی طرف عود کرے۔

(۸) آٹھواں مقالہ ''نماز'' حضرت مولانا کے اس سلسلہ مضامین کی کڑی ہے جو چھ تبلیغی نمبروں کی وضاحت کے لیے ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کے لیے لکھے گئے، بعد ازاں یہ مقالہ ماہنامہ البیان پشاور میں جولائی ۱۹۸۴ء تا نومبر ۱۹۸۴ء پانچ قسطوں میں چھپا اور چھ نمبروں کے حوالے سے رسالہ کا بھی حصہ بنا۔ اس مقالہ میں نماز کی فضیلت، اہمیت، مؤمن کی نمازی شان، فلسفہ نماز اور زندگی پر نماز کے اثرات و ثمرات سے بحث کی گئی ہے۔

(۹) نواں مقالہ ''علم وذکر'' بھی سابقہ سلسلہ کی کڑی ہے جو فروری، مارچ، اپریل ۱۹۵۸ء کے الفرقان میں تین قسطوں میں چھپا، اس مقالہ میں علم کی اہمیت و مقام اور ذکر کی فضیلت واثرات پر اچھوتے انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۱۰) دسواں مقالہ ''اکرام مسلم'' بھی سابقہ سلسلہ کی کڑی ہے، یہ مقالہ ماہنامہ الخیر لائل پور ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا، ماہنامہ الفرقان لکھنؤ اور ماہنامہ البیان پشاور اپریل ۱۹۸۴ء میں بھی چھپا، ماہنامہ بینات کراچی جولائی، اگست ۱۹۷۳ء میں یہی مقالہ ''اسلامی اخوت اور اس کے حقوق'' کے نام سے شائع ہوا۔ اس مقالہ میں مؤمنین کے باہمی حقوق اور اس سلسلہ میں ایثار واکرام پر قرآن وسنت کی روشنی میں جامع بحث کی گئی ہے۔

(۱۱) گیارہواں مقالہ ''اخلاص نیت'' بھی مذکورہ سلسلہ کی کڑی ہے جو الفرقان لکھنؤ میں ۱۳۷۳ھ کے صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، رجب، شعبان کے شماروں میں پانچ اقساط میں شائع ہوا۔ اس مقالہ میں نیت کی حقیقت واہمیت اور مدار اعمال ہونے پر تحقیق وتفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۱۲) بارہواں مقالہ ''اعلان حج'' ماہنامہ البیان ستمبر ۱۹۸۳ء کے اداریہ کے طور پر لکھا گیا، اس مقالہ میں حج کے عاشقانہ پہلوؤں اور فلسفہ حج پر ولولہ انگیز گفتگو کی گئی ہے، یہ مقالہ ایک مؤمن کے جذبات حج کو مہمیز بخشتا ہے اور اس عاشقانہ عبادت میں محبت و وارفتگی کے دھیان ومراقبہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ حج کے لیے پابہ رکاب حضرات کے واسطے اس کا مطالعہ از حد مفید ہے۔

(۱۳) تیرہواں مقالہ ''اللہ کی نشانیاں'' ماہنامہ البیان کے اداریہ کے طور مئی ۱۹۸۵ء تا اگست ۱۹۸۵ء چار اقساط میں لکھا گیا، اس میں قرآن مجید کی ان آیات کریمہ کو ترجمہ اور مختصر تشریح کے ساتھ جمع کیا گیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے انفسی وآفاقی نشانیاں ذکر فرما کر انسان کو دعوت فکر دی ہے۔

(۱۴) چودہواں مقالہ ''علامہ سید سلیمان ندوی کا نظریہ دعوت وتبلیغ'' ماہنامہ الحق نومبر، دسمبر ۱۹۹۴ میں دو اقساط میں شائع ہوا، اس مقالہ میں دعوت وتبلیغ کے متعلق حضرت سید صاحب کے افکار کو جمع کیا گیا ہے، جو تبلیغی جماعت کے متعلق انتہائی معتدل مؤقف ہے، اس کے رو سے تبلیغ ایک بلند دینی منصب ہے لیکن اس کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ مبلغ کی نظر خود پر ہو۔

(۱۵) پندرہواں مقالہ ''مشیخت وارادت'' ماہنامہ بینات کراچی کے شمارہ ستمبر، اکتوبر اور نومبر ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا۔ اس مقالہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ نبوی منہاج تزکیہ وتربیت اور سلسلہ صحبت ہی مشیخت وارادت ہے، اس کے بجز شیخ ومرید کا کوئی جدید تصور موجود نہیں۔ صرف اصطلاح نئی ہے، باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سلسلہ صحبت میں مرید اور حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام شیخ تھے۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں تزکیہ وتربیت اور صحبت سے متعلق جتنی ہدایات ہیں وہ سب اسی سلسلہ مشیخت وارادت کے لیے ہیں۔

(۱۶) سولہواں مقالہ ''قلب ذاکر 'سازِ' الا اللہ ہے [سیّد سلیمان ندویؒ کے افکار کی روشنی میں]، ماہنامہ الحق نومبر ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔ اس میں سید صاحب کے احوال وکیفیات ذکر کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

(۱۷) سترہواں مقالہ ''حقیقتِ ذکر کے حصول کی معالجانہ تدبیر [سیّد سلیمان ندویؒ کے افکار کی روشنی میں]، الحق اکوڑہ خٹک کے شمارہ دسمبر ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔ اس مقالہ میں حضرت سید کے افکار کی روشنی میں حقیقت ذکر یعنی دھیان الٰہی کے دائمی حصول کے لیے طریق وتدبیر کی تفصیل ہے۔

(۱۸) اٹھارواں مقالہ ''صفات الٰہیہ'' ماہنامہ الحق مارچ ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا، اس مقالہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات کی اقسام بیان کرنے کے بعد اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کا

انعکاس بندوں میں دیکھنا پسند کرتا ہے اور ان کا ظہور انسانی اخلاق میں پسند فرماتا ہے۔ اس بنا پر اسلامی نظریہ اخلاق کی بنیاد تمام تر صفات باری تعالیٰ کے عقیدہ اور معرفت پر ہے۔

(۱۹) انیسواں مقالہ ''رومی اور تصوف'' بندہ کو مخطوط شکل میں ملا، اس مقالہ میں شرعی طریقہ تصوف کو مولانا روم کے ارشادات اور افکار کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔

(۲۰) بیسواں مقالہ ''سلوک سلیمانی پر اجمالی نظر'' حضرت علامہ سید سلیمان ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تصوف سے متعلق طریق، مذاق ومزاج اور ارشادات و افادات پر مشتمل ہے، یہ مقالہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ کے سلیمان نمبر کے لیے لکھا گیا لیکن بروقت نہ پہنچنے کی وجہ سے نمبر کا حصہ نہ بن سکا۔ بعد ازاں ماہنامہ معارف میں ستمبر ۱۹۵۴ء تا جنوری ۱۹۵۵ء پانچ مبسوط قسطوں میں شائع ہوا۔ اسے لاہور سے نسیم اختر شیخ صاحب اور سرمد الحسینی صاحب کی کاوش وتوجہ سے مستقل رسالہ کی صورت میں بھی طبع کیا گیا۔

(۲۱) اکیسواں مقالہ ''شمیم عطور مجموعہ'' صوفی اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''العطور المجموعہ'' کے لیے بطور تقریظ لکھا گیا، گو کہ اس سلسلہ مقالات میں آپ کی مختصر تقریظات اکٹھی کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا لیکن یہ تقریظ سیرت نبوی کے بعض پہلوؤں کے والہانہ تذکرہ کے باعث مستقل مضمون کی حیثیت رکھتی ہے اور اپنی تاثیر میں کئی مطولات پر بھاری ہے۔

اصلاح وارشاد اور دعوت وتبلیغ سے متعلقہ مقالات کی اس جلد کا آغاز واختتام بطور تبرک سیرت نبویہ کے موضوعات پر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ سے امید واثق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تذکار مشک بو کی برکت سے بقیہ مجموعہ بھی شرف قبولیت سے نوازا جائے گا۔

اس جلد میں شامل مقالات کے ماخذ کے حوالے بھی از سر نو جانچنے کا اہتمام کیا گیا اور اغلاط کی تصحیح اور حتی الوسع مکررات کو دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس مجموعہ کے بیش تر مقالات عزیز القدر صلاح الدین ایوبی سلمہ نے حسبتاً للہ کمپوز کیے، ان شاء اللہ عزیز موصوف کو ان کا علمی وروحانی فیض ہوگا، بندہ ان کا ممنون ہے۔

جلد سوم

حضرت مولانا پروفیسر محمد اشرف خان سلیمانی رحمہ اللہ کے گراں قدر مقالات کی تیسری جلد بحمد اللہ آپ کے سامنے ہے، اس مجموعہ میں حضرت مولانا قدس سرہ کے ان مقالات کو جمع کیا گیا، جو مختلف شخصیات کی سوانح یا حضرت مولانا کے خودنوشت احوال وآثار پر مشتمل ہیں۔ ذیل میں ان مقالات کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

(۱) پہلا مقالہ حضرت مولانا قدس سرہ کے شیخ ومربی سید الملت حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے احوال وآثار پر مشتمل ہے۔ یہ مقالہ ماہنامہ الرشید لاہور (ستمبر ۱۹۷۳ء، فروری، مارچ، اپریل، مئی ۱۹۷۴ء) میں پانچ اقساط میں شائع ہوا، مقالہ کیا ہے؟ اپنے شیخ کا نثری مرثیہ اور احوال زندگی کا ایک جامع مرقع، اپنے شیخ کے علمی مقام کا اجمالی تعارف پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> محقق جلیل، فاضل کبیر، امام شہیر، متکلم عصر، شیخ وقت، سید الملت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ انہیں نادرۂ روزگار اشخاص میں سے تھے، جن کا وجود اپنے گوناگوں فضائل وکمالات، جامعیت وبرکات، علوم ومعارف، خدمات دینی وملی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں ایک مستقل نشانی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ''اعجاز خاص'' تھا۔۔۔ عصر حاضر میں جامعیت علوم میں اپنی مثال آپ تھے۔ ما رأیت مثلہ ولم یری مثلہ علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کا یہ فرہاد نہ صرف خالص دینی علوم قرآن وتفسیر، حدیث وفقہ، تصوف وکلام اور سیرت میں امامت وسیادت کا مقام رکھتا تھا۔ بلکہ اس کی ہمہ گیری قدیم معقولات کے دفتر اور جدید معاشرتی ونظری علوم کے ایک معتدبہ ذخیرے کو اپنے پہلو میں سمیٹے ہوئے تھی۔ وہ ژرف نگاہ مؤرخ تھے، لیکن ان کی تاریخ دانی خاص سیاسی، شاہی یا سلطانی حاکمانہ خانوادوں کے عزل ونصب، فتوحات، جہانبانی و جہانگیری کی داستان سرائی اور رام کہانی نہ تھی۔ بلکہ وہ علوم ملی کے دقیقہ رس، باریک بین، رمز آشنا اور وسیع النظر مؤرخ تھے۔۔۔ فلسفہ تاریخ اور اس کے متعلقہ علوم پر وہ مجتہدانہ، مبصرانہ اور ناقدانہ

فکر وبصیرت کے مالک تھے۔۔۔اسلامی تاریخ پر وہ ''حجت'' تھے۔ہندوستانی تاریخ کے مختلف ادوار کا ان جیسا علم شاذ مؤرخین ہی کو ہوتا ہے۔۔۔سید صاحب نے اسرائیلی صحف آسمانی تورات، انجیل، زبور وغیرہ کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور ان کتابوں کی بعض شروح پر بھی نظر تھی۔ ہندوستانی مذاہب اور دگر ادیان کی کتب مقدسہ سے آشنا تھے۔۔۔قرآن فہمی کا ملکہ خداداد تھا اور کتاب الٰہی کی ان باریکیوں اور عمیق گوشوں پر نگاہ جاتی تھی، جن کی طرف عام اذہان کا گذر بھی نہیں ہوتا۔۔۔۔وہ ایک ناقد، بصیر اور متبحر محدث تھے اور علوم حدیث کی جملہ شاخوں اسماء ورجال اور جرح وتعدیل وغیرہ پر ان کی عمیق نظر تھی۔۔۔فقہ اسلامی کے مختلف مسالک ومذاہب کا علم وفہم حیرت انگیز تھا۔۔۔وہ بے مثل ویگانہ سیرت نگار تھے، فن سیرت نے ان سے جلا پائی اور ان کے جواہر سیرت پاک سے جھلکے۔۔۔سید الملت متکلم وقت تھے اور عصر حاضر کے پرشور و پرکار ،دوررس و جہانگیر فتنہ مغرب کے دقیقہ رس ناقد اور عمیق و دقیق علمی واستشراقی ذہنی وسیاسی دجل وفریب کے رمز آشنا مبصر۔۔۔مسلمانوں اور عربوں کے جغرافیہ پر اتنا وسیع النظر عالم اور ان کی جغرافیائی معلومات واکتشافات کا جاننے والا پورے عالم اسلام میں شاذ ہی کوئی دوسرا شخص ہوگا۔۔۔سید صاحب زبان دان تھے، عربی وفارسی کے وہ مستند عالم تھے، اردو کے بلند پایہ صاحب طرز ادیب اور ''سید المصنفین'' تھے، عبرانی انہوں نے سیکھی تھی، انگریزی وہ اچھی طرح پڑھ اور سمجھ لیتے تھے۔فرانسیسی سے (بقول مسعود عالم مرحوم) وہ آشنا تھے۔بعض ہندوستانی بولیوں کی شدھ بدھ رکھتے تھے۔ان کی عربی سلاست اور بے ساختگی میں سہل ممتنع کا حکم رکھتی تھی۔وہ شاعر تھے اور اردو، فارسی، عربی تینوں زبانوں میں اچھے اشعار کہہ لیتے تھے۔وہ مدیر تھے اور ان کی ادارت نے مختلف ادوار میں الندوہ، الہلال ومعارف کو علوم ومعارف اور تحقیق و دانش کے گوناگوں افادات سے منور بدر کامل ومہر منور بنایا۔۔۔ان کی پچاس سالہ تصنیفی زندگی نہ صرف بلند پایہ محققانہ مستقل تصانیف پر مشتمل ہے بلکہ انہوں نے پچاسوں علمی وتحقیقی، دینی وادبی، لسانی وتاریخی مقالات لکھے، خطبات پڑھے، مقدمات ترتیب دیے۔۔۔حضرت الشیخ قدس سرہ

پیدائشی ''صوفی'' تھے۔بچپن میں اپنے بڑے بھائی سے اکتساب فیض کیا اور یہ شرارہ نور آخری عمر میں شیخ الکل مجدد الملۃ حضرت اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے تعلق کے بعد شعلہ طور بن کر چمکا اور اس کی ضیاء پاشیوں سے بزم سلوک مطلع انوار بنی۔۔۔غرض سید الملت علم ودانش کے اس مقام پر فائز تھے جس کا تصور بھی بہت سے دانشوروں کی ذہنی دسترس سے بالا ہے۔تحقیق وجامعیت اور وسعت وعمق علوم میں پورے عالم اسلام میں ان کی کوئی نظیر نہیں تھی۔وہ اپنے وقت کے سب سے بڑے ہمہ جہتی عالم تھے۔

آپ نے سید صاحب کے مولد ومسکن، پھلواری کی خانقاہ میں ابتدائی تعلیم وتربیت، اس کے بعد ندوہ آمد، علامہ شبلی سے تلمذ واستفادہ، سیرت کے کام میں معاونت، الندوہ کی نائب ایڈیٹری، بعد ازاں ہند کے انقلاب خیز اخبار الہلال سے وابستگی، دار المصنفین کی مساعی اور اہم تحریکی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی ہے۔یہ مقالہ حضرت سید صاحب رحمہ اللہ کی زندگی کا ایک جامع خاکہ کہا جاسکتا ہے۔

(۲) دوسرا مقالہ ''حکیم الامت کے علمی جانشین'' ماہنامہ البلاغ کے مفتی اعظم پاکستان نمبر کے لیے مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ کے علمی احوال وآثار پر لکھا گیا، یہ ضخیم کاوش حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کی خواہش پر عمل میں آئی۔حضرت شیخ الاسلام آپ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ماہ جمادی الثانیہ میں بنام خدا تعالیٰ البلاغ کا مفتی اعظم پاکستان نمبر شائع کرنے کا اعلان کر دیا ہے اور اس سلسلہ میں مضامین کی کتابت کا آغاز بھی ہو چکا ہے۔آنجناب کو حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے جو تعلق رہا ہے اس کے پیش نظر درخواست ہے کہ حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی اور علمی وعملی خدمات کے کسی پہلو پر ایک جامع مقالہ البلاغ کے اس نمبر کے لیے مرحمت فرمادیں۔

یہ تفصیلی خط کا اقتباس ہے اور اس پر تاریخ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ کی درج ہے۔

مذکورہ بالا مقالہ اس نمبر کے تفصیلی مقالات میں سے ایک ہے، اس مقالہ کا کچھ حصہ دیگر بعض مضامین سے تکرار کے باعث نمبر سے حذف بھی کیا گیا ہے لیکن بندہ نے اصل مسودہ سے وہ حصہ بھی

شامل رکھا ہے، غالباً یہ بالتفصیل تحریر مفتی تقی عثمانی مدظلہم کے علم میں بھی تھی، بلکہ شاید ان کا منشا بھی تھا، اس لیے ایک دوسرے خط میں رقم طراز ہیں:

> بعض حضرات کے فون سے یہ خوشخبری مل چکی تھی کہ آنجناب کا مقالہ قریب التکمیل ہے، اس وقت سے انتہائی اشتیاق کے ساتھ انتظار لگا ہوا ہے، یہ آپ نے ہم خدام پر بڑا ہی کرم فرمایا، اللہ تعالیٰ آں جناب کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ نمبر کی کتابت ہو رہی ہے، لیکن آپ جلدی کی وجہ سے اپنے مقالے کو مختصر کرنے کی کوشش نہ فرمائیں، آنجناب کا مقالہ تو ان شاء اللہ نمبر کی جان ہوگا، اس لیے آپ ذہن پر بوجھ نہ رکھیں اور فراغت کے ساتھ تکمیل فرمادیں۔

یہ بھی ایک تفصیلی خط کا اقتباس ہے، اس پر ۲۴/۶/۹۸ھ کی تاریخ درج ہے۔

اس مقالہ میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ابتدائی حالات، حکیم الامت حضرت تھانوی سے تعلق واستفادہ، دارالعلوم دیوبند میں تدریسی، تصنیفی اور افتاء کی سرگرمی کا جائزہ پیش کرنے کے بعد حضرت تھانوی کے علمی جانشین کے طور پر آپ کی علمی مساعی خصوصاً تصنیفات کا تفصیلی تعارف پیش کیا گیا ہے اور بلا مبالغہ حضرت مفتی صاحب کی جملہ کتابوں کا مبسوط تعارف اور ان کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے مناسب تبصرہ اس میں آ گیا ہے، اگر کوئی شخص حضرت مفتی صاحب کی علمی سرگرمیوں کا تالیفات وتصنیفات سے آگاہی چاہتا ہے تو یہ مقالہ ان کی شناسائی کے لیے بڑی حد تک کفایت کرتا ہے۔

(۳) تیسرا مقالہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا فقیر محمد پشاوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات پر مشتمل ہے، یہ مقالہ حضرت پشاوری کی حیات ہی میں مرتب ہوا اور مستقل سوانح کے طور پر شائع کیا گیا۔ اس مقالہ کے بارے میں ایک وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔ بازار میں یہ مقالہ ''فیض حسن واشرف'' کے نام سے بطور مؤلف: مولانا سید نجم الحسن تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی سے شائع ہوا ہے، سرورق پر حضرت مولانا کے اسم گرامی کا ذکر ہی نہیں، ہاں اندرونی سرورق یعنی سب ٹائٹل پر جمع کردہ: ''یادگار سلف مخدوم مکرم حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی دامت برکاتہم خلیفہ

حضرت العلام فاضل اجل، عالم بے بدل مولانا مولوی سید سلیمان ندوی قدس سرہٗ'' درج ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ عجالہ حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قلم کا شاہکار ہے، حضرت مولانا سوانح سے متعلق مکمل معمولات جمع کر چکے تھے، انہیں رف شکل میں لکھ کر عنواوین بھی قائم کر لیے تھے، حضرت مولانا چاہتے تھے کہ مقالہ مختصر ہے لہٰذا حضرت مولانا فقیر محمد صاحب پشاوری رحمہ اللہ کے متعلقین سے سوالنامہ کے ذریعے کچھ مزید معلومات اکٹھی کی جائیں، نیز حضرت کے مکاتیب و افادات کا بھی کچھ حصہ ساتھ آجائے اور اس کے لیے کسی مناسب فرصت کی تلاش میں تھے، لیکن آپ کی معذروی اور دیگر اہم علمی مصروفیات کے باعث یہ مسودہ معرض التواء میں پڑا رہا۔ آپ کے ذخیرہ میں بندہ نے اس سوانح کے بعض جزوی حصے دیکھے بھی ہیں، جن پر محض نظر ثانی اور قدرے تنقیح کا کام باقی ہے۔ لیکن کراچی کے مولانا نصرت علی صدیقی صاحب جو حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمہ اللہ کے متعلقین میں سے تھے، اس مقالہ کی جلدی اشاعت کے لیے مشتاق ومصر تھے اور اس حوالے سے ان کے حضرت مولانا کے نام پانچ مکاتیب بھی ہیں، جو ان کے دستخطوں کے ساتھ ان کے ذاتی لیٹر پیڈ پر بندہ کے پاس محفوظ ہیں۔ ان تمام مکاتیب میں یہی اصرار ہے کہ مقالہ جلد از جلد شائع ہو، اگر حضرت مولانا کو معذوری یا مشاغل کے باعث فرصت نہ ہو تو وہ ہمیں عنایت فرمادیں، ہم ترتیب ونظر ثانی کا کام کروا کر شائع کرلیں گے، ان کے پیہم اصرار اور حضرت نواب عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی سفارش پر حضرت مولانا نے یہ مسودہ انہیں حوالے کیا جو مولانا نجم الحسن تھانوی رحمہ اللہ کی نظر ثانی اور ترتیب کے ساتھ شائع ہوا، لیکن بجائے مرتب کے غالباً مطبع والوں کی غلطی سے ان کا نام بطور مؤلف چھپ گیا ہے۔ ذیل میں مولانا نصرت علی صدیقی کے مکاتیب سے اس مقالہ کے اشاعت کے لیے تقاضے پر مشتمل اقتباسات پیش خدمت ہیں:

> جناب والا سے عرض ہے برسوں سے سنا جارہا ہے کہ سیدی ومرشدی مولائی وملجائی حضرت مولانا مولوی فقیر محمد صاحب دام ظلکم العالی کے حالات مع دیگر مفید مضامین اکٹھا کئے جارہے ہیں جو ترتیب بھی دے دیے گئے ہیں۔ نظر ثانی ہونا باقی ہے، پھر کتاب چھپ جائے گی۔۔۔ عرض ہے

از راہ کرم حضرت والا اپنا قیمتی اور مصروف وقت اس کتاب کے لیے فارغ فرما کر اس کی تکمیل فرمادیں اور حج سے پہلے چھپ بھی جائے تو سب خدام کے لیے یہ کتاب دین وایمان اور عمل کے لیے بڑی رہبری ہوگی۔

اس خط پر ۲۴ / رجب ۱۴۰۴ھ، ۲۵ / اپریل ۱۹۸۴ء تاریخ درج ہے۔

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

جناب والا پر یہ بات بخوبی روشن ہے کہ کئی برس گزرنے کے بعد بھی اب تک حضرت مولانا مولوی فقیر محمد صاحب دام ظلکم العالی کی کتاب نہیں چھپ سکی۔ حضرت والا بہت عدیم الفرصت ہیں لہٰذا اگر مسودہ اب تک مکمل نہ ہوسکا ہو اور کتاب جلد نہ چھپ سکتی ہو تو براہ کرم جملہ کاغذات جناب نواب قیصر صاحب زاد مجدہ کو کراچی کسی معتبر آدمی کے ہمراہ بھجوادیں، ورنہ حضرت نواب صاحب خود منگوالیں گے۔ پھر احقر اور نواب صاحب یہ سب کاغذات جناب ڈاکٹر غلام محمد صاحب کی خدمت میں پیش کر کے جلد سے جلد مکمل فرمانے کے لیے کہیں گے تاکہ کتاب جلد سے جلد چھپوالیں، کتاب خواص کو بھی نافع ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس خط پر تاریخ ۷ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ، بمطابق ۲۱ نومبر ۱۹۸۵ء درج ہے۔

حضرت مولانا کے ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں:

آپ کے گرامی نامہ سے یہ معلوم ہو کر بڑا اطمینان ہوا کہ اب بہت جلد سیدی ومرشدی وملجائی و مولائی دام ظلکم العالی کی کتاب مکمل فرمالیں گے۔ جناب والا کے سوال نامہ کا جواب بھی آپ جلد حاصل فرمالیں تاکہ باقی حصہ بھی بہت جلد مکمل ہوجائے۔

تقاضے کے ایک دوسرے خط میں رقم طراز ہیں:

سیدی ومولائی پیر ومرشد مولانا مولوی فقیر محمد صاحب دام ظلکم العالی حرمین شریفین تشریف لے جاتے ہوئے کراچی میں نواب قیصر صاحب کے یہاں مقیم تھے، حضرت والا نے طے فرمایا تھا کہ ان کی کتاب کا مسودہ جناب والا سے منگوا کر نواب قیصر صاحب اپنی نگرانی میں ڈاکٹر غلام محمد

صاحب سے جلد از جلد مکمل کرا کر چھپوالیں۔ لہٰذا براہ کرم جناب والا تمام کاغذات اور مسودہ وغیرہ نواب قیصر صاحب کو جلد سے جلد بھجوادیں، آپ کا بڑا ہی احسان ہوگا۔

اس خط پر ۸ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ بمطابق ۱۸ مئی ۱۹۸۶ء کی تاریخ درج ہے۔

شدید تقاضے پر مشتمل آخری خط میں رقم طراز ہیں:

بفضلہ تعالیٰ اب کتاب کا مسودہ جتنا بھی مکمل ہوسکا ہو جناب نواب قیصر صاحب کو روانہ ہی فرمادیں ڈیڑھ سال قبل بھی اسی حالت میں مسودہ تھا، لہٰذا براہ کرم اب تو چھپنے کے لیے دے ہی دیجئیے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائیں، حضرت والا اگر پشاور ہی میں اپنی نگرانی میں چھپوانا پسند فرماتے ہوں تو براہ کرم بہت جلد چھپوالیں اور مطلع فرمائیں تاکہ یکسوئی اور اطمینان ہوجائے اور حقیقت سے آگاہی ہوجائے۔

اس خط پر ۱۹ ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ بمطابق ۲۷ جولائی ۱۹۸۶ء کی تاریخ درج ہے۔

اس پیہم اصرار در اصرار کے بعد حضرت مولانا نے مجبوراً مسودہ ان حضرات کے سپرد کر دیا اور وہ اپنی منشاء کے مطابق اس کی تہذیب وطباعت نہ فرما سکے۔ مولانا نجم الحسن تھانوی قدس سرہ ''عرض مؤلف'' کے تحت اس مسودہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس کام (سوانح مولانا فقیر محمد پشاوری رحمہ اللہ۔ مرتب) کی تکمیل کے بعد اس کی ترتیب وتہذیب کے لیے مجھ گناہ گار کے نام قرعۂ فال نکلا اور یہ کام احقر کے سپرد کر دیا گیا۔ (فیض حسن و اشرف، طبع خانقاہ لنڈی ارباب پشاور، ص۔ ۱۲)

آگے لکھتے ہیں:

آخر میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مسودے کے جو کاغذات احقر کو ملے وہ بہت بے ترتیب بھی تھے اور ایک ایک بات کئی کئی بار مختلف جگہوں لکھی ہوئی ملی، کسی جگہ اس قدر کانٹ چھانٹ کہ رابطہ قائم کرنا مشکل ہوجاتا تھا۔ (فیض حسن واشرف، ص۔ ۱۶)

اس تصریح سے یہ بات واضح ہوئی کہ یہ مولانا نجم الحسن تھانوی رحمہ اللہ کی تالیف یا تصنیف نہیں بلکہ

حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی رحمہ اللہ کی کاوش ہے، جو مولانا نجم الحسن صاحب کو آخری نظر ڈالنے اور مرتب کرنے کے لیے دی گئی تھی، جہاں تک مسودہ کے پراگندہ حال ہونے کا ذکر کیا گیا تو یہ واقعی حقیقت ہے کہ حضرت مولانا کا خط زیادہ صاف نہ تھا اور تحریر میں مضامین کے وفور آمد کے باعث بعض جگہ کئی کئی تعبیرات کانٹ چھانٹ کر لکھی ہوئی ہوتی تھیں۔ خود بندہ کو حضرت مولانا کے بعض مخطوطات پر کام کرنے سے اس کا تجربہ ہوا ہے۔ لیکن کسی مخطوط کی تہذیب و تنقیح کے لیے جتنی بھی محنت صرف کر لی جائے اس سے وہ مرتب کی تالیف نہیں بن جایا کرتی۔

دلچسپ امر یہ بھی ہے کہ اندورونی سرورق پر حضرت مولانا کا نام جامع کی حیثیت سے لکھے جانے کے باوجود ''عرض مؤلف'' میں اس کا ذکر تک نہیں کہ یہ اصل کاوش مولانا محمد اشرف سلیمانی کی ہے، بلکہ سوانح سے متعلق مواد کے ابتدائی جمع کا ذکر کرتے ہوئے ارباب فرید صاحب، ڈاکٹر عبدالقیوم صاحب اور جناب اختر حسن صاحب کا نام لیا گیا ہے اور حضرت مولانا اشرف صاحب سے پیہم اصرار کر کے مسودہ منگوانے کے باوجود ان کا ذکر تک موجود نہیں۔ فالی اللہ المشتکی

بہرحال تاریخی ریکارڈ درست رکھنے کے لیے یہ چند گزارشات پیش کر دیں تاکہ اصل صورت حال علم میں ہو اور جامع مقالات پر یہ الزام نہ آسکے کہ انہوں نے کسی اور کی تحریر حضرت مولانا کی تحریرات میں شامل کر دی۔ جب کہ خود حضرت مولانا نے اپنے ہاتھ سے جو اپنے مقالات کی فہرست مرتب کی ہے اس میں ''فیض حسن و اشرف'' کے نام سے اس مقالہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

الغرض اس مقالہ میں صاحب بکاء، حضرت تھانوی کے خانقاہ امدادیہ کی رونق، حضرت مفتی حسن صاحب امرتسری کے مایہ ناز شاگرد مولانا فقیر محمد پشاوری رحمہ اللہ کے سبق آموز احوال مذکور ہیں۔ مقالہ کا آغاز حضرت مولانا کے خاندانی تعارف، مولد و مسکن سے ہوتا ہے، ابتدائی تعلیمی حالات، امرتسر میں مفتی محمد حسن صاحب کی خدمت میں حاضری، تعلیم کی تکمیل، حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ سے بیعت، خانقاہ میں طویل قیام کی تفصیلات، حضرت تھانوی کی توجہ و محبت، تربیتی واقعات، واردات و کیفیات، حضرت تھانوی سے استفادہ و استفاضہ، اجازت بیعت، جہاد بالسیف، اسفار حج، لنڈی

ارباب پشاور میں مسجد و خانقاہ کی تعمیر، سلسلہ بیعت و ارشاد کی سرگرمیاں اور مساعی ضروری تفصیلات کے ساتھ آگئی ہیں۔

(۴) چوتھا مقالہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے سانحۂ ارتحال پر ماہنامہ البیان پشاور کے اداریہ کے طور پر لکھا گیا۔ اس مقالہ میں حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے علمی مقام، تقویٰ و طہارت، نزاہت قلبی، رسوخ فی العلم، اصابت فکر، ہمہ جہتی اور تحریکی و علمی کاوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، آپ کے کارناموں میں حکمت قاسمی کی تسہیل، سو سے زیادہ تصنیفات، اصلاح و ارشاد، دعوت و خطاب اور سب سے بڑھ کر دارالعلوم کے اہتمام کی جاں گسل ذمہ داری کی باحسن وجوہ سرانجامی کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔ آخر میں حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ اپنی ملاقاتوں اور نیازمندانہ تعلق کا بھی ذکر ہے۔

(۵) پانچواں مقالہ ''صدیق وقت، یوسف اقلیم دعوت و تبلیغ'' حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے احوال و آثار پر ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کی خصوصی اشاعت ۱۹۶۵ء کے لیے لکھا گیا۔ یہ مقالہ بقول مولانا رشید ارشد رحمہ اللہ تعالیٰ مدیر ماہنامہ الرشید لاہور، خصوصی اشاعت کے تمام مضامین میں نمایاں اور ممتاز اور اسلوب بیان و قوت و استنتاج کے لحاظ سے سب پر بھاری تھا، آپ نے حضرت جی کے اوصاف و مزایا بیان کر کے اپنا یہ مدعی مبرہن کیا کہ حضرت جی صدیق وقت تھے اور مقام صدیقیت پر فائز تھے۔ آپ لکھتے ہیں:

> فقیر کے نزدیک حضرت جی قدس سرہٗ کا مقام ''صدیقیت'' ان کے باقی کمالات و جواہر کا منبع و منشا تھا، آپ کے یقین کی دولت، آپ کی ایمانی قوت، آپ کا سوز دروں، آپ کی ربانیت و للّٰہیت، آپ کی خشیت و محبت الٰہی، آپ کا زہد و ورع، آپ کا تقویٰ، آپ کی انابت الی اللہ، التجا و دعا کی کیفیت، یہ جملہ صفات اسی مقام صدیقیت کے مختلف مظاہر ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جامعہ و کاملہ اپنے مختلف الوان میں اشخاص متعلقہ کے ظرف و استعداد کے لحاظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت جی قدس سرہٗ کی نسبت باطنی کے متعلق کلام تو کوئی دیدہ ور ہی

کرسکتا ہے، اس بے بصر کے نزدیک تو آخری دور میں نسبت یوسفی مختلف الوان نسبت کا ایک عجیب اور نہایت ہی جامع گلدستہ بن چکی تھی جو جمال وجلال ربی کی تجلیات خاصہ کا بوقلموں مرقع تھا، جن کا پورا ادراک و بیان اس کورنگاہ کا مقام نہیں لیکن ایک بات زبان قلم پر آئے بغیر نہیں رہتی، فقیر نے قلب یوسفی پر نسبت شیخین رضی اللہ عنہما کا ترشح پایا ہے۔

آپ نے حضرت جی کے غیر متزلزل یقین، اسباب کی بے ثباتی کا ایقان، دینی غیرت وحمیت، ملی درددروں، کڑھن وتڑپ اور فنا فی اللہ ہونے کے تذکرہ کے ساتھ آپ کے علمی مقام، تصنیفی خدمات، نسبت باطنی، تصوف سلوک اور بیعت وتلقین کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ آخر میں آپ کے سب سے امتیازی وصف داعی الی اللہ کا بسط وتفصیل سے ذکر فرمایا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ آپ پر دعوت کی حقیقت اور نظام کسی ذہنی اختراع یا عقلی کاوش کے نتیجے میں منکشف نہیں ہوا بلکہ اس کی پوری ساخت نصوص پر گہرے غور وخوض کے نتیجے میں خالص اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے عطا ہوئی۔ آپ نے دعوت کے اساسی فکر کی سات بنیادیں بالتفصیل ذکر فرما کر واضح کیا ہے کہ مولانا الیاس رحمہ اللہ اور ان کے فرزند حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی نے انہی بنیادوں پر کام کو اٹھایا ہے، اس اساسی فکر کی پختگی اور اس کی بنیادوں میں نصوص کی قوت ہی کا نتیجہ تھا کہ دعوت وتبلیغ کی آفاقی محنت ہند کی گلی کوچوں سے اکناف عالم میں آگ کی طرح پھیل گئی اور ایمان ویقین کی فضا پیدا کرنے کی ایسی تجدیدی شکل سامنے آئی کہ جس کی نظیر بہت کم اسلامی تجدیدی تحریکوں میں نظر آئے گی۔

(۶) چھٹا مقالہ ''علماء واولیاء سلف کی ایک بے مثال یادگار حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ'' ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کے حضرت شیخ الحدیث نمبر اشاعت ستمبر تا دسمبر ۱۹۸۵ء کے لکھا گیا، بعدازاں یہ مضمون ماہنامہ البیان کے حضرت شیخ نمبر میں بھی چھپا، نیز ماہنامہ بینات کراچی کی اشاعت جولائی ۱۹۸۵ تا دسمبر ۱۹۸۵ء میں بھی چھ مبسوط قسطوں میں شائع ہوا۔ ماہنامہ الفرقان کے خصوصی اشاعت کے مرتب مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی مدظلہم لکھتے ہیں:

اس شمارے کا پہلا مضمون عارف باللہ حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی دامت برکاتہم کا ہے۔

پوری کوشش کے باوجود بہت تاخیر ہونے کے باعث یہ مضمون حضرت شیخ نمبر حصہ اول میں شامل نہ ہوسکا، اب یہ امانت قارئین کی خدمت میں تاخیر کی معذرت کے ساتھ پیش ہے، اس مضمون کے بارے میں کچھ عرض کرنا میرے لیے موزوں نہیں ہے، سوائے اس کے کہ یہ ایک عارف کی کہانی ایک عارف کی زبانی ہے، اسے بار بار اور بغور پڑھنا چاہیے۔ (ص۔ ۱۲، ۱۳)

مدیر الفرقان مضمون کے سرنامہ میں رقم طراز ہیں:

پیش نظر مضمون حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی دامت فیوضہم نے حضرت شیخ الحدیث کی وفات کے کچھ ہی دن بعد الفرقان کی خصوصی اشاعت کے لیے حضرت والد ماجد مدظلہ کی فرمائش پر تحریر فرمایا تھا، لیکن مضمون کی تکمیل سے پہلے ہی حضرت مولانا سخت علیل ہوگئے تھے، جس کی وجہ اس کی تکمیل میں کافی تاخیر ہوئی، ادھر یہاں پریس والوں کی طرف سے جلدی جلدی کے پیغام آرہے تھے، بالآخر آخری حد تک انتظار کے بعد نمبر اشاعت کے لیے دے دیا گیا اور یہ طے کرلیا گیا کہ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب کا مضمون دوسری خصوصی اشاعت میں شائع کردیا جائے گا۔ اس وقت یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ اس کی اشاعت میں اتنی دیر ہوجائے گی۔ بہرحال اب یہ گراں قدر تحفہ قارئین کی خدمت میں تاخیر کی معذرت کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔ اس مضمون کے مشتملات کو چار عنوانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ تجدید واحیائے دین اور خلافت نبوی کاربانی نظام اور الف ثانی ہزارۂ دوم سے اس کا عالمی مرکز۔

۲۔ تجدید واحیائے دین کے کام میں دہلی ودوآبہ کے علاقے کا حصہ۔

۳۔ حضرت شیخ کی تربیت کے لیے توفیق خداوندی، جو تیسیر اسباب کا دوسرا نام ہے، کی مختصر تفصیل۔

۴۔ خدمت دین اور نیابت نبوت کے سلسلے میں حضرت شیخ کی ہمہ جہتی کوششوں کا تذکرہ۔

دعا ہے کہ اس مضمون سے کماحقہ فائدہ اٹھایا جائے، مخدومنا حضرت مولانا محمد اشرف صاحب نے اپنی سخت علالت اور معذوریوں کے درمیان جس درد وکرب اور جس کیفیت میں ڈوب کر خون

جگر سے یہ مضمون لکھا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا احساس اور انہیں اجر عظیم نصیب فرمائے۔ آخر میں ایک بار پھر یہ عرض ہے کہ اس مضمون کو خصوصاً اس کے ابتدائی حصے کو جس میں پہلے اور دوسرے موضوع پر کچھ نہایت اہم باتیں اشاروں کی زبان میں کہی گئی ہیں، بہت غور سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ ان فی ذلك لذكرىٰ لمن كان له قلب او القىٰ السمع وهو الشهيد۔ (ص۔ ۱۶)

اس مبسوط تعارف کے بعد بندہ کا کچھ عرض کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

(۷) ساتواں مقالہ قاری فیوض الرحمن صاحب کی کتاب مشاہیر علمائے سرحد کا مقدمہ ہے، رجال وشخصیات کے حوالے سے اس مقدمہ کی اہمیت کے پیش نظر اسے اس مجموعہ کا حصہ بنایا گیا ورنہ کتابوں پر لکھے گئے حضرت مولانا مختصر تاثراتی مضامین یا تقریظات عام طور پر اس مجموعہ کا حصہ نہیں۔ حضرت مولانا نے اس مقالہ میں علماء کے مقام نیابت وخلافت اور ورثہ نبوت ہونے پر روشنی ڈالی ہے، پھر سرزمین پاکستان میں دور صحابہ وتابعین سے علم واہل علم کی آمد کا مدلل تدریجی تذکرہ تاریخ کے مختلف ادوار کے تناظر میں کرتے ہوئے اکابر دیوبند کی کوششوں اور کاوشوں کے تذکرے پر اسے ختم کیا ہے۔ آپ علماء امت کی دینی جہد وجہاد اور مساعی جلیلہ کا اجمالی تذکرہ کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

علماء کرام ہر دور میں نیابت نبوت کا فریضہ بخیر وخوبی انجام دیتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے مختلف ممالک میں ان سے حفاظت دین، اشاعت علم، تبلیغ اسلام، احقاق حق، ابطال باطل اور خدمت ملت کا کام لیا۔ اسلام کی رونق انہیں کے دم قدم سے رہی اور اسلام پر بہار انہیں کے مجاہدات سے آئی، دین ہدایت اور علوم اسلامیہ کے یہ امین فقر وفاقہ اور بوریا وحصیر میں دلوں پر بادشاہی کرتے اور اسلام کے سرمایہ کی حفاظت فرماتے رہے۔ ان کی سرگرمیاں عرب وعجم اور اقطار عالم کے چپہ چپہ میں جاری وساری ہیں، کبھی انہوں نے منبر ومحراب کو زینت بخشی، کبھی دار ورسن نے ان کی جلوہ سامانیوں سے عزت پائی، کبھی طوق وسلاسل نے ان کے قدموں کو چوما، کبھی زندان کی تیرہ وتار کوٹھڑیاں ان سے منور ہوئیں، کبھی تلواروں کے سائے میں انہوں نے کلمہ حق بلند کیا، کبھی تخت وتاج ان کی ہیبت سے کانپے، کبھی قوت وشوکت نے انہیں خراج تحسین

پیش کیا، کبھی مسند درس نے ان سے رونق پائی، کبھی مدارس ان کے قال اللہ وقال الرسول کے نغموں سے گونجے، کبھی خانقاہیں ان کے وجد وحال اور ذکر واشغال سے بقعہ نور رہیں، کبھی میدان وفا میں ان کی تیغ بے نیام، اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے برق بن کر کوندی، کبھی جنگ گاہ میں کشور کشاؤں کے سر قلم ہو کر ان کے قدموں پر گرے، کبھی اسلام کے پرچم کو ان کے خون کی قربانی نے سربلندی بخشی، کبھی ان کی حق گوئی نے قصر امارت میں زلزلہ بپا کیا، کبھی ایوان سیاست پر ان کی حق گوئی سے کپکپی طاری ہوگئی، غرض اہل حق کا یہ قافلہ عشق الٰہی میں سرشار ہو کر عالم کے ذرہ ذرہ کو اپنی قربانیوں، جہد ومحنت وجہاد وارشاد سے پر بہار بناتا رہا۔

(۸) آٹھواں مقالہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مختصر حالات اور افادات پر مشتمل ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک کی اشاعت مئی ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا۔ اس مقالہ میں حضرت شیخ کی ولادت، ابتدائی تعلیم، تربیت باطنی اور راہ سلوک کا سفر، علمی مقام، تقوی وطہارت، فیض رسانی اور اصلاح وارشاد کا ذکر ہے، نیز آپ کے متعلق اکابر اہل علم وسلف صالحین کے آراء بھی ذکر کی گئی ہے۔ یہ مقالہ دراصل ریڈیو پاکستان کی دعوت پر پیش کیا گیا، جسے بعد ازاں افادۂ عام کے لیے الحق میں بھی چھاپا گیا۔

(۹) نواں مقالہ ''حدیث ناگفتنی'' آپ کی خودنوشت تعلیمی ومطالعاتی داستان ہے۔ یہ مقالہ ماہنامہ الحق کی طرف سے ایک سوالنامے کے جواب میں لکھا گیا، مدیر الحق نے مشاہیر اہل علم کے نام چند سوالات ارسال فرمائے تھے اور ان سے اپنی علمی ومطالعاتی زندگی کی روشنی میں ان کے جوابات طلب کیے تھے۔ وہ سوالات مندرجہ ذیل ہیں:

آپ کو علمی زندگی میں کن کتابوں اور مصنفین نے متاثر کیا اور آپ کی محسن کتابوں نے آپ پر کیا نقوش چھوڑے؟ ایسی کتابوں اور مصنفین کی خصوصیت۔

آپ نے تعلیمی زندگی میں کن اساتذہ اور درس گاہوں سے خاص اثرات لیے، ایسے اساتذہ اور درسگاہوں کے امتیازی اوصاف جن سے طلباء کی تعمیر وتربیت میں مدد ملے۔

اس وقت عالم اسلام کو جن جدید مسائل اور حوادث ونوازل کا سامنا ہے اس کے لیے قدیم یا معاصر اہل علم میں سے کن حضرات کی تصانیف کارآمد اور مفید ثابت ہوسکتی ہیں؟

علمی اور دینی محاذوں پر کئی فتنے تحریفی، الحادی اور تجدیدی رنگ میں (مثلاً انکارِ حدیث، عقلیت، تجدد، مغربیت، قادیانیت اور ماڈرن ازم) مصروف ہیں۔ ان کے سنجیدہ علمی احتساب میں کونسی کتابیں حق کے متلاشی نوجوان ذہن کی رہنمائی کرسکتی ہیں؟ موجودہ سائنسی اور معاشی مسائل میں کون سی کتابیں اسلام کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں۔ مدارس عربیہ کے موجودہ نصاب اور نظام میں وہ کونسی تبدیلیاں ہیں جو اسے مؤثر اور مفید تر بنا سکتی ہیں۔

حضرت مولانا نے ان سوالات کے تفصیلی تجزیاتی اور گہرے جوابات رقم فرمائے، آپ کے جوابات کو مشاہیر کے اس پورے علمی ومطالعاتی سلسلہ میں سب سے زیادہ سراہا گیا، خصوصاً مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشجیع وتحسین کا خصوصی پیغام ملا۔ حضرت مولانا نے ان سوالات کے جواب میں اپنے بچپن کی علمی وتعلیمی زندگی سے آغاز فرمایا، بچپن میں آپ نے فارسی اور اردو ادب کی اخلاق پرور کتابیں پڑھیں، جنہوں نے شخصیت پر گہرا اثر ڈالا۔ بچپن میں ناول پڑھنے کا شوق بھی رہا، صادق صدیقی، عبدالحلیم شرر اور دیگر معروف ناول نگاروں کے اکثر ناول پڑھے۔ گھر کے کتب خانہ میں موجود اکابر اہل علم کی تفاسیر وتراجم سے بچپن ہی میں استفادہ کا آغاز کیا۔ غرض سکول کے زمانے میں دینیات کا اچھا خاصا ذخیرہ مطالعہ کرلیا تھا۔

ہندوستان شملہ سے پشاور واپسی کے بعد اپنی مسجد کے مکتب میں مولانا نورالاعظم باجوڑی رحمہ اللہ سے درس نظامی کی کتابیں پڑھنا شروع کیں، صرف، نحو، فقہ اور ابن ماجہ کے سوا صحاح کا ذخیرہ انہی کے ہاں مکمل کیا۔ اس دوران عربی مطالعہ کی استعداد پیدا ہوئی، عربی ادب کے علاوہ عربی تفاسیر اور شروح حدیث کے ایک بڑے حصے سے استفادہ کیا۔ اعجاز قرآنی، تاریخ، تصوف، سیرت اور فقہ وقانون کو بھی بطور خاص مطالعہ فرمایا۔

آپ کو شعر وشاعری سے بھی لگاؤ رہا، علامہ اقبال اور حالی سے بچپن میں متاثر ہوئے اور دونوں شعراء کے محض دیوان ہی نہیں بلکہ فکر بھی اپنے اندر جذب کی۔ مولانا روم، حافظ شیرازی، سعدی سب ہی کو پڑھا اور گھول کر پیا۔

شخصیات میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حکیم الامت تھانوی، مولانا سید سلیمان ندوی، شبلی نعمانی، عبدالباری ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، ابوالحسن علی ندوی، ڈاکٹر علامہ اقبال کی تصانیف سے بطور خاص استفادہ کیا اور موجودہ فکری وعلمی تحدیات کے مقابلے کے لیے ان شخصیات کی کتب سے استفادہ کو لازمی قرار دیا۔

آپ نے اپنے علمی ومطالعاتی سفر میں محض کتابیں نہیں گنوائی، بلکہ ہر علم وفن، اس سے متعلق اہم کتب، شروح اور حواشی تک کا تعارف بھی کروایا، ان کی خصوصیات ومزایا کی وضاحت کی اور ان کے متعلق جہابذہ علم وفن کے اقوال وآراء سے استناد فراہم کیا۔

غرض یہ عجالہ نافعہ محض آپ کی مطالعاتی سرگذشت نہیں بلکہ بہت ساری کتابوں کا جامع تعارف اور کئی شخصیات کے علمی مقام اور افادیت کی تفصیل مہیا کرتا ہے اور ایک طالب علم کے لیے اس مطالعہ دلچسپی سے قطعاً خالی نہیں۔

(۱۰) دسواں مقالہ ''جادۂ حبیب'' آپ کا تبلیغی ودعوتی سفر نامہ ہے، حضرت مولانا بمع تین رفقاء جناب ضیاء الاسلام (امیر جماعت)، مولانا ظاہر شاہ صاحب اور میاں محمد انور صاحب فیصل آباد بیرونی ممالک ایران، عراق، شام، ترکی، یوگوسلاویہ، آسٹریا اور جرمنی میں تبلیغ کے لئے ۳۱ جولائی ۱۹۵۷ء بروز بدھ کراچی سے بذریعہ بحری جہاز روانہ ہوئے، یہ ایک سفر نامہ نہیں بلکہ بیرونی ممالک میں دینی دعوت کے اصول، طریقہ کار ومشکلات اور غیبی نصرتوں کے علاوہ ان ممالک اور شہروں کا جغرافیہ وتاریخ، سیاسی ومعاشرتی زندگی، اسلامی ودینی حالات کا ایک جامع بیش بہا خزانہ ہے جس کو مولانا صاحب نے اپنے روزنامچے میں روزانہ کی بنیاد پر تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ یہ تفصیل ۲۰ اگست ۱۹۵۷ء تک استنبول کے قیام تک موجود ہے لیکن اس کے بعد دستیاب نہیں یا مولانا صاحب نے لکھی نہ ہو۔ معلوم نہیں۔ بہرحال مولانا صاحب نے اس کی بعد کی تاریخوں میں مختصر اشارات ویادداشتیں لکھی ہیں جن کو جوڑ کر ہم نے اس سفر نامے کو مکمل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سفر سے واپسی ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو ہوئی۔ یہ سفر نامہ جادۂ حبیب کے نام سے ماہنامہ الفرقان لکھنؤ میں بھی چھپتا رہا اور اس کے ابتدائی آٹھ اقساط شائع ہوئی تھیں

کہ بعض تبلیغی مصالح کی بنیاد پر اس کی اشاعت روک دی گئی۔

اس جلد میں یہ دس مقالات پیش خدمت ہیں۔ امید ہے اہل علم اس علمی تحفہ سے محظوظ ہوں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اپنی بارگاہ عالی میں قبولیت سے نوازے اور بندہ، اس کے والدین، اہل وعیال اور اساتذہ ومشائخ کے لیے اسے ذخیرہ آخرت بنائے۔

جلد چہارم

الحمد اللہ حضرت مولانا پروفیسر محمد اشرف خان سلیمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقالات کی چوتھی اور آخری جلد میں چھ مقالات شامل ہیں۔ ان میں سے تین مقالات عدالت عالیہ کی قانونی وآئینی رہنمائی کے لیے لکھے گئے۔ ایک مقالہ حکومت پاکستان کے زکاۃ سے متعلق سوالنامہ کے جواب میں لکھا گیا، جب کہ آخری دو مقالات فتنہ قادیانیت کے حوالے سے رقم کیے گئے۔ ذیل میں ان تمام مقالات کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

(۱) پہلا مقالہ ''رجم کی شرعی حیثیت'' آپ کا وہ معرکہ الآراء بیان ہے جو رجم سے متعلق وفاقی شرعی عدالت کی رہنمائی کے لیے پیش کیا گیا۔ آپ کے نام وفاقی شرعی عدالت کا جو خط موصول ہوا اس میں یہ نکتہ اٹھایا گیا تھا کہ رجم کا ثبوت خبر واحد سے ہے اور خبر واحد کی بنیاد پر تعزیری سزا تو دی جاسکتی ہے، حد نافذ نہیں کی جاسکتی۔ دراصل اس قسم کے شبہات بعض جدت پسند حلقوں کی طرف سے اٹھائے جارہے تھے اور عدالت کے نام اس عنوان سے درخواستیں موصول ہورہی تھیں کہ رجم کی جو دفعات حدود کے آرڈیننٹس چلی آرہی ہیں، انہیں ختم کیا جائے کیونکہ یہ سزا بطور حد شریعت میں ثابت نہیں۔ عدالت کی طرف سے اس مسئلہ پر حضرت مولانا سے مدلل رہنمائی کی درخواست کی گئی تھی، حضرت مولانا ان ایام میں عارضہ قلب میں مبتلا تھے اور ہسپتال میں زیر علاج تھے، ان مسائل کی تحقیق کا معرکہ بستر علالت پر ہی سر کیا گیا۔ اس وقت آپ کے تحقیقی ادارہ سلیمان اکیڈمی کے انچارج مولانا فضل حق ترنگزئی اس اہم تحقیقی کام میں آپ کے معاون تھے۔ ان کے مطابق ہسپتال کا کمرہ ان دنوں لائبریری کا منظر پیش کررہا تھا اور ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود آپ مسلسل مطالعہ وتحقیق میں مشغول رہے۔ فرماتے تھے کہ اگر

اس محنت وکاوش سے جان بھی چلی جائے تو ان شاء اللہ شہادت کی موت ہوگی۔

آپ نے اس مقالہ میں اولاً: اس پر بحث فرمائی ہے کہ اصل قانون ساز اللہ کی ذات ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بایں معنی شارع ہیں کہ آپ قانون خداوندی کی تبیین وتشریح کی ذمہ داری ادا فرماتے ہیں۔

ثانیاً: اس کو ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید میں رجم کا ذکر بطور دلالت النص موجود ہے۔ نیز شرائع من قبلنا نبوی توثیق وتائید کے بعد ہمارے لیے حجت ہیں۔

ثالثاً: یہ ثابت فرمایا کہ رجم کی احادیث حد تواتر تک پہنچی ہیں، پھر اس حوالہ سے اکتالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات پیش فرمائی ہیں۔ نیز عہد نبوی اور عہد خلفائے راشدین میں رونما رجم کے واقعات بھی ذکر فرمائے ہیں اور اس حوالہ سے صحابہ کرام کے اجماع کو ثابت کیا۔

رابعاً: رجم یہودیان کے عنوان سے یہودیوں کے رجم کے واقعہ کا سن مختلف حدیثی وتاریخی حوالوں متعین فرمایا ہے اور رجم کے دیگر واقعات کے زمانہ کی تعیین کرکے ثابت کیا ہے کہ سورۂ نور کی آیت جس میں زانی کی سزا سو کوڑے ذکر کی گئی ہے ان واقعات سے نزول میں مقدم ہے، لہٰذا وہ آیت رجم کے سزا کے لیے ناسخ نہیں، بلکہ آیت کا تعلق غیر محصن کی سزا سے ہے اور محصن کے لیے رجم کی سزا متعین ہے۔

اس ضمن میں آپ نے ناسخ ومنسوخ کے عنوان سے نسخ پر بھی عمدہ بحث فرمائی ہے۔

خامساً: حد اور تعزیز سے متعلق ان کی لغوی وشرعی تعریفات، ان کی اقسام، مواقع اور ان کے نفاذ کے اختیارات سے متعلق بحث فرمائی ہے نیز اس امکان کو بھی مدلل طریقے سے رد کیا ہے کہ حد شرعی کے متبادل کے طور پر کوئی دوسری سزا دی جاسکتی ہے؟

آپ نے حالت مرض میں ہسپتال میں اس مقالہ کی تکمیل فرمائی، اس میں بعض علمی مشکلات کے حل کے لیے آپ کو منامی اشارات بھی ملے۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر جب سنین واقعات رجم کے متعلق اشکال درپیش تھا تو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کی خواب میں زیارت ہوئی کہ وہ میرے قریب سے گزرے اور ان کے بدن کی قبا نے میرے سر کو ڈھانپ لیا، اس کی آپ نے یہ تعبیر

سمجھی کہ اس علمی اشکال کا حل حضرت شیخ کی کتابوں میں مل سکتا ہے، لہٰذا آپ نے حضرت شیخ کی ''اوجز المسالک'' اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کی ''بذل المجہود'' منگوائی، اوجز سے سنین کا مسئلہ حل ہوا اور بذل سے واقعات رجم کے حوالے سے مزید مدد ملی۔

آخر میں اپنے مقالہ کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے عدالت عالیہ کی خدمت میں درخواست پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ رجم کے واقعات سورۂ نور کے نزول کے بعد نبی انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق وقوع پذیر ہوئے، اب یا تو اس بات کو تسلیم کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل قرآن کے صحیح فہم اور خداوند قدوس کے حکم کے مطابق تھا۔ یا العیاذ باللہ خاکم بدہن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کو یا سمجھا نہیں یا سمجھ کر اس کے خلاف کیا۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان جان بوجھ کر ایک لمحے کے لئے بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے خلاف یا قرآن کو نہ سمجھتے ہوئے رجم کا حکم دیا ہوگا۔ اس صورت میں یہ بات لازم آتی ہے کہ رجم کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق قرآن کو سوچ سمجھ کر دیا اور عین منشاء خداوندی کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے مطابق کوئی کام اپنے نفس کی خواہش سے نہیں کرتے تھے، اس طرح ہمارا یہ مدعا ثابت ہو جاتا ہے کہ رجم کی سزا عین قرآن کے مطابق ہے۔

نیز نبی انور صلی اللہ علیہ وسلم سے چالیس مشہور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جن میں سیدنا ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبدالرحمن بن عوف وغیرہ رضی اللہ عنہم جیسے عظیم صحابہ شامل ہیں۔ جن کی روایات بندہ نے اس محضر نامہ میں پیش کی ہیں۔ مزید برآں ائمہ اربعہ اور ہر دور کے اساطین کے علماء کے اقوال رجم کے متعلق میں نے مثالاً نقل کر دیئے ہیں۔ وقت کی گنجائش نہیں ورنہ ایک عظیم ذخیرہ مزید پیش کیا جا سکتا تھا۔

غرض قرآن وسنت، اجماع صحابہ، اجماع امت اور ہر دور کے فقہاء اور علماء رجم کی حقانیت پر

شاہد عدل ہیں، اس لئے بندہ عدالت عالیہ سے درخواست کرتا ہے کہ ہماری ان معروضات پر ہمدردانہ غور فرماتے ہوئے امت کے اس اجماعی فیصلہ کو متنازع فیہ نہ بنایا جائے اور رجم کی جو دفعات حدود کے آرڈیننس میں اب تک چلی آ رہی ہیں، انہیں باقی رکھا جائے، بلکہ عملاً فوری طور پر ان کا اجراء کیا جائے اور ان کے خلاف جو درخواستیں دائر کی گئی ہیں، ان کو خارج کیا جائے۔

حضرت مولانا نے مقالہ کے مندرجات پر ججوں کی جرح کے جواب بھی دیئے اور باوجود معذوری اور نقاہت کے اس طویل مقالہ کا بیشتر حصہ خود سنایا۔ حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم بھی اس بینچ کا حصہ تھے، جس کے روبرو یہ بیان پیش کیا گیا، حضرت مفتی تقی صاحب کے فیصلہ سے حضرت مولانا انتہائی خوش تھے اور حضرت مفتی صاحب کی نظر میں حضرت مولانا کے عدالتی بیان کی بھی بڑی وقعت تھی، چنانچہ حضرت مفتی تقی صاحب اپنے ایک مکتوب میں حضرت مولانا کو لکھتے ہیں:

جناب کا مقالہ ''رجم'' شائع ہو جائے تو ان شاء اللہ بہت مفید ہوگا۔ توجہ فرمانے کی درخواست ہے۔۔۔۔۔ رجم کے بارے میں احقر کا فیصلہ جناب کی تائید و پسندیدگی سے مشرف ہوا، اس سے بہت خوشی ہوئی، اب وہ قسط وار البلاغ میں آنے والا ہے، اللہ تعالیٰ اسے دافع شبہات بنائیں۔ آمین۔

اس خط پر ۳۰ صفر ۱۴۰۴ھ کی تاریخ درج ہے۔

آج اس خط کے تقریباً چھتیس سال بعد اس فقیر کو یہ مقالہ شائع کرنے کی توفیق مل رہی ہے، اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ فقیر کو حضرت مولانا کے جو مقالات مخطوط شکل میں دستیاب ہوئے، ان میں سب سے زیادہ قابل رحم حالت اس مقالہ کی تھی، پانی اور نمی پہنچنے کے باعث اس کا کچھ حصہ محو ہونے کے قریب تھا، بہ دقت پڑھا گیا لیکن بحمداللہ مرتب ہو گیا۔

(۲) دوسرا مقالہ ''شاتم رسول کی شرعی سزا'' بھی وفاقی شرعی عدالت کی استدعا اس کی رہنمائی کے لیے پیش کیا گیا۔ برصغیر میں برطانوی اقتدار کے دوران راج پال نامی ایک بدبخت ہندو نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کتاب شائع کی، جس پر لاہور کے ایک غیور نوجوان غازی علم

الدین نے اسے جہنم واصل کیا۔اس پر انگریز حکومت کو مذہبی شخصیات کی عزت و ناموس کے لیے قانون وضع کرنا پڑا، چنانچہ 1927ء میں تعزیرات ہند کے اندر دفعہ 295،الف کا اضافہ کیا گیا جو مجموعہ تعزیرات پاکستان مطبوعہ یکم جولائی 1962ء میں درج ہے،جس کے رو سے گستاخِ رسول کے لیے محض دو سال قید یا جرمانے کی سزا مقرر تھی۔ظاہر ہے انگریز کی مقرر کردہ یہ سزا توہین رسالت کے سنگین و ہولناک جرم کے مقابلے میں بالکل ناکافی تھی،اس لیے 1986ء میں تعزیرات پاکستان کے اندر دفعہ 295،سی کا اضافہ کیا گیا اور اس جرم کی سزا موت یا عمر قید مع جرمانہ قرار پائی۔لیکن یہ سزا بھی اسلامی قانون سے ہم آہنگ نہ تھی، کیونکہ اسلامی قانون کے رو سے شاتم رسول کی سزا صرف اور صرف قتل طے تھی،اس لیے وفاقی شرعی عدالت میں اس فیصلہ پر بحث وتمحیص ہوئی، ملک کے معروف اہل علم اور دانشوروں نے اس حوالے اپنی تحقیق عدالت میں پیش کی۔حضرت مولانا نے بھی اپنا گراں قدر اور قیمتی علمی مقالہ پیش فرمایا بالآخر وفاقی شرعی عدالت نے اکتوبر 1990ء میں حکومت وقت کو ہدایت کی کہ وہ مذکورہ سزا کو 30 اپریل 1990ء تک تبدیل کر کے اس سے ''یا عمر قید'' کے الفاظ خارج کر دے، اگر حکومت نے مقررہ مدت میں یہ ذمہ داری پوری نہ کی تو یہ الفاظ خود بخود کالعدم قرار پائیں گے۔حکومت کی سرد مہری قائم رہی اور مقررہ مدت تک قانون میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی،لہٰذا عدالتی فیصلے کے مطابق ''یا عمر قید'' کے الفاظ کالعدم قرار پائے اور وطن خداداد کے قانون میں اسلام کی چودہ سو سالہ روایت کے مطابق شاتم رسول کی سزا ''موت'' قرار پائی۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ نے اس مقالہ میں اولاً قرآن مجید کی آیات، ثانیاً احادیث مبارکہ، ثالثاً اجماع امت اور رابعاً اقوال فقہاء کی روشنی میں اس مسئلہ کو مبرہن فرمایا ہے اور اس بات کو ثابت کیا ہے کہ شاتم خواہ ذمی ہو یا مسلمان، ہر دو کو حداً قتل کیا جائے گا اور اس سلسلے میں اس کی توبہ بھی قابل قبول نہیں ہو گی۔اس سلسلہ میں جو بعض احناف کا یہ قول ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ مسلم پس منظر رکھنے والے شاتم کی توبہ کو قبول کرنے کا کہتے ہیں آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی،اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ متاخرین ائمہ احناف کی طرح اس مسئلہ میں جمہور امت کے مؤقف کو درست سمجھتے ہیں۔

(۳) تیسرا مقالہ قادیانیت ماہنامہ البیان پشاور میں فروری ۱۹۸۵ء سے جون ۱۹۸۶ء قسط وار چھپتا رہا۔اس مقالہ کے بعض جزوی حصے ماہنامہ البیان کے اداریے کے طور پر بھی چھپتے رہے۔یہ مقالہ دراصل آپ کا وہ عدالتی بیان ہے جو قادیانیت کی تکفیر اور امتناع قادیانیت آرڈیننس کے دفاع کے لیے عدالت میں پیش کیا گیا۔حضرت مولانا اس بیان کا پس منظر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''انہوں (قادیانیوں) نے کفر وضلالت پر مبنی ایک ایسے نام نہاد دین کی بنیاد رکھی جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں تھا۔اور جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دین سے کھلی بغاوت تھی۔انگریزی سامراج کا کاشتہ یہ شجرہ خبیثہ ان کی نگہداشت و پرداخت میں پروان چڑھتا رہا اور دنیا کے مختلف اطراف میں اس کے زہریلے پھل وجود میں آتے رہے۔یہاں تک کہ برطانیہ کی وہ سلطنت جس پر کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا اور جسے مرزا غلام احمد صاحب نے اپنا ملجاء و ماویٰ اور خداوند قدوس سے زیادہ اپنی امیدوں کا ٹھکانہ بنا رکھا تھا۔اللہ جل جلالہ کے حکم سے سمٹتے سمٹتے صرف برطانیہ میں محدود ہو کر رہ گئی تو انگریز کے پروردہ اس ٹولے نے مختلف ممالک میں سازشوں کے ذریعے سے اپنے قدم جمانے کی کوشش شروع کی۔پاکستان ان ناپاک کوششوں کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔امت مسلمہ کا ردعمل انتہائی شدید تھا۔جس کا ظہور 1953ء اور 1964ء کی عمومی انٹی قادیانی تحریکات میں ہوا۔جس کے نتیجے میں قادیانیوں کو 1974ء میں دوسری آئینی ترمیم کے مطابق غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا اور اس کے منطقی نتیجے کے طور پر صدر پاکستان نے ان کی سرگرمیوں پر پابندی کا آرڈی ننس نمبر 20 مجریہ 1984ء نافذ کیا جس پر قادیانیوں کے دونوں فرقوں نے وفاقی شرعی عدالت میں استغاثہ اور پٹیشن کی۔اس کی سماعت اکیس دن تک 15 جولائی سے 17 اگست 1984ء تک جاری رہی۔راقم السطور کو بھی وفاقی شرعی عدالت کے حکم پر اس عدالت میں قادیانیوں کے بارے میں ایک طویل بیان پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔''

حضرت مولانا نے اس مقالہ میں ختم نبوت کے مقام اور موہبت الٰہی ہونے پر تفصیلی روشنی ڈالی،

اس کے بعد مرزا غلام قادیانی کی کتابوں سے وہ کفریات پیش کیں جن کی بنیاد پر قادیانیوں کی تکفیر کی جاتی ہے۔ بعدازاں قرآن وحدیث اور اجماع امت کی روشنی میں ختم نبوت کے عقیدہ کو مدلل ومبرہن بیان فرمایا، نیز اس بات کی بھی وضاحت کی کہ قادیانی اسلامی شعائر کا استعمال اپنے نام سے کیوں نہیں کر سکتے۔ آخر میں آپ نے امت محمدیہ کی بعثت اور اس کے مقام پر روشنی ڈالی ہے اور اسے بھی ختم نبوت کا ثمرہ اور انعام قرار دیا ہے، آپ نے نقلی دلائل کے ساتھ ساتھ مذکورہ مسئلہ پر عقلی دلائل بھی پیش فرمائے ہیں۔

(۴) چوتھا مقالہ قادیانیت کے بارے میں قومی اسمبلی کا متفقہ فیصلہ اور اس کے ذیلی تقاضے کے عنوان سے ماہنامہ الحق میں شائع ہوا، ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی میں قادیانیوں کے سربراہ مرزا ناصر کے ساتھ میٹنگ اور ارکانِ پارلیمان کی طرف سے موصوف پر یحییٰ بختیار کی کئی روزہ جرح، سوال وجواب کے بعد قادیانیت کا اصل چہرہ اراکین کے سامنے آیا، جس کے نتیجے میں متفقہ طور پر اکثریتی رائے نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا۔ اس فیصلے کے بعد ماہنامہ الحق نے مندرجہ ذیل سوالنامہ عالمی سطح کے مشاہیر علماء، دانشوران، وکلاء، سیاست دان اور صحافی حضرات کو بھیجا۔

۱۔ آئینی فیصلہ کے بارے میں آپ کے تاثرات اور خدمات کیا ہیں؟

۲۔ کیا اس فیصلہ کے بعد ہماری ذمہ داری ختم ہوگئی ہے؟

۳۔ ملک وبیرونِ ملک قادیانی فتنہ کے سیاسی اور دینی اثرات کیا ہیں؟

۴۔ ایسے مہلک اثرات کے تعاقب کا طریقۂ کار اور لائحہ عمل کیا ہوسکتا ہے؟

حضرت نے اس ان چار سوالات کے جواب میں قادیانیت کا مذہبی، سیاسی، سماجی پس منظر کھولنے کے ساتھ ساتھ تحریک ختم نبوت کی تاریخ، خصوصاً ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے حوالے سے اپنے مشاہدات، قادیانیت کی ریشہ دوانیاں، اس حوالے سے امت مسلمہ کی ذمہ داری، ملک خداداد پاکستان میں قادیانیت کے حوالے سے سماجی وسیاسی سطح پر ایک مؤثر لائحہ عمل کی نشان دہی اور کئی ایک مفید تجاویز پیش کی ہیں۔ یہ مقالہ قادیانیت کے حوالے سے لائحہ عمل اور حکمت عملی کی ایک بہترین تفہیم ہے۔

(۵) پانچواں مقالہ شاہ ولی اللہ سے متعلق ایک افتراء کی حقیقت ماہنامہ البیان کے اداریہ کے طور پر جنوری ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا۔ اس میں ڈاکٹر اللہ دتہ مضطر نامی ایک مصنف کی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے متعلق ایک انگریزی کتابچے کے ایک حصے پر تنقید کی گئی ہے۔ جس میں مصنف نے اجراء نبوت کے باطل قادیانی عقیدے کو شاہ صاحب کی عبارات سے غیر کفریہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ حضرت مولانا نے خود حضرت شاہ صاحب کی عبارات سے اجراء نبوت کے عقیدہ کا بطلان واضح کر کے مصنف کی باطل استنباط کے تار پود بکھیرے ہیں اور حکومت سے احتجاج کیا ہے کہ سرکاری خرچے پر ایسی کتاب کیوں شائع کی گئی جس میں امت کے ایک جلیل القدر امام کی طرف ایک غلط بات کی نسبت کی گئی ہے۔

(۶) چھٹا اور آخری مقالہ حکومت پاکستان کی طرف سے زکاۃ سے متعلق گیارہ سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے، یہ مقالہ ماہنامہ الحق اور البیان میں فروری ۱۹۸۴ء کو شائع ہوا۔ اس میں حضرت مولانا نے مختلف سوالات کے علمی وتحقیقی جوابات فقہ حنفی کی روشنی میں دیئے ہیں۔ نقدی میں نصاب زکاۃ کا اعتبار سونے سے کیا جائے یا چاندی سے؟ اس بارے میں فرماتے ہیں

> الغرض معیار سونا اور چاندی ہے! روپیہ کے اتار چڑھاؤ اور روپیہ کی مالیت میں کمی بیشی کی صورت میں سونے اور چاندی ہی کے وزن کو معیار کا درجہ حاصل ہے اور اسی معیار کے تحت روپیہ کی مالیت کا اندازہ لگایا جائے گا اور پھر اسی کے مطابق زکوٰۃ کے روپوں کے نصاب کا تعین کیا جائے گا۔ اب رہی یہ بات کہ سونے اور چاندی میں سے کس کو بنیاد قرار دیا جائے کہ جس کے ساتھ پاکستانی روپیہ کو منسلک کر کے پاکستانی روپوں کے لحاظ سے نصاب کا تعین کی جائے۔ تو اس کے لئے عرض ہے کہ یہ معلوم کر لیا جائے کہ وزارت خزانہ حکومت پاکستان نے روپیہ کو سونے اور چاندی میں سے کس کے ساتھ منسلک کیا ہے؟ اور ایک پاکستانی روپیہ کتنے سونے یا چاندی کی مقدار کا بدل ہے؟ یہ معلوم ہو جائے تو پھر اسی حساب سے وزن سونا یا وزن چاندی کے لحاظ سے حساب کر کے تعین کیا جائے گا۔

مزید آپ فی سبیل اللہ کے مصرف میں مجاہد و حاجی سے آگے بڑھ کر توسیع کے قائل نہیں۔ نہ ہی رفاہی امور میں زکاۃ صرف کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ بنی ہاشم کو زکاۃ دینے کے حوالے سے بھی آپ ٹھیٹھ حنفی مؤقف پر قائم ہے اور اسے جائز نہیں سمجھتے۔ اس مقالہ میں گداگری کو ختم کرنے سے متعلق بھی عمدہ تجاویز دی گئی ہے، اس کے ساتھ بینک کے ذریعے حکومت کی طرف سے زکاۃ کی کٹوتی پر اپنے تحفظات کا اظہار بھی فرمایا ہے۔ نیز فقہ حنفی کی اکثریت کے باعث میں ملک میں فقہ حنفی کے رواج ہی کو عملی قرار دیا ہے۔ الغرض یہ مقالہ زکاۃ کے حوالے سے مختصر لیکن شافی جوابات پر مشتمل ہے۔

بندہ نے اس کام کی توثیق حسب دستور اپنے شیخ و مرشد حضرت ڈاکٹر پروفیسر فدا محمد صاحب مدظلہم سے لی اور حضرت ہی کی توجہات اور دعاؤں سے یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچا۔ درحقیقت بندہ کی نااہلی اور کاہلی ہمیشہ حضرت سیدی کے دامن توجہ میں پوشیدہ رہ جاتی ہے اور کام بخوبی منزل تکمیل تک پہنچ جاتا ہے۔ فللّٰہ الحمد والمنہ

اس مجموعہ کی آخری جلد کی ترتیب وتدوین میں عزیزم مولانا سلمان خان سلمہ رکن ندوۃ التحقیق الاسلامی کوہاٹ نے ساتھ دیا۔ آخری جلد میں شامل مقالات کو جن مخطوطات سے مرتب کیا گیا ان کی حالت چونکہ انتہائی ناگفتہ بہ تھی، اس لیے عزیز موصوف کو بندہ کے ساتھ اصل نصوص اور ان کے ترجموں کی تصحیح، حوالہ جات کی جانچ وجستجو اور منصف کے منشاء تک رسائی میں کافی دقت اٹھانی پڑی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس محنت ومشقت کا شایان شان اجر نصیب فرمائے۔

اس کام کے دوران بندہ نے اپنے بعض اکابر کے نام دعا وتوثیق کے لیے خطوط بھی لکھے۔ استاد گرامی قدر حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی ادام اللہ ظلہم کو اس حوالہ سے دو خطوط لکھے، دونوں خطوط میں اس کام سے متعلق گفتگو کے مضمون کو یکجا کر کے دعائیہ کے عنوان سے آغاز کتاب میں بطور تبرک شامل کیا گیا۔ مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت فیوضہم نے شفقت وعنایت کی انتہاء فرمائی، باوجود ضعف اور عالمی سطح کی مصروفیات کے مبسوط تقریظ سے نوازا۔ عالم ربانی حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی حفظہم اللہ نے اپنے گوناں گوں مشاغل اور اسفار کے باوجود اس پر تقصیر طالب

علم کے کام کو اہمیت کی نظر سے دیکھا اور اپنی وقیع رائے سے نوازا۔ حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہم نے بھی حسب سابق اپنی شفقت سے نہال فرمایا۔ شبلی شناس اور عصر حاضر کے نامور مؤرخ ڈاکٹر الیاس احمد اعظمی مدظلہ بھی شکریہ وسپاس کے مستحق ہیں جنہوں نے علالت اور اہم تصنیفی وتحقیقی مشاغل کے باوجود دارالمصنفین اعظم گڑھ کی نمائندگی فرمائی اور اپنی تحریر سے نوازا۔ سیدی ومرشدی حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہم نے صاحب مقالات حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی رحمہ اللہ کی سوانح پر مشتمل مبسوط مقدمہ تحریر فرمایا، نیز کتاب اور کام کی اہمیت پر دیباچہ بھی لکھا۔ مجھ جیسے مبتدی اور تہی علم وعمل طالب علم کی ان جہال علم وتقویٰ کی طرف سے حوصلہ افزائی پر دل تشکر وامتنان سے لبریز ہے، اللہ رب العزت ان تمام اکابر کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ ان کی جان، مال، علم اور عمر کی برکات سے ہمیں بیش از بیش مستفید ہونے کی توفیق بخشیں اور اس کام کو فقیر، اس کے والدین اور اساتذہ ومشائخ کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے اور اپنے دربار میں قبول ومنظور فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

احقر الانام

محمد طفیل کوہاٹی

مدیر ندوۃ التحقیق الاسلامی کوہاٹ